

فرسان تحت راية النبي

للشيخ المجاهد أبي عبد الرحمن المصري

أيمن الظواهري

- حفظه الله -

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آخری وصیت یا ہدایت نامہ

یہ کتاب کہاں سے آئی ؟ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے ۔تاہم سب سے پہلے یہ حقیقت قارئین کو بتا دی جائے کہ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے نائب اور دنیا کے سب سے مطلوب ترین فرد کی یہ آپ بیتی کتابی صورت میں پہلی بار سامنے آ رہی ہے یہ کتاب دنیا کی کسی بھی زبان میں ابھی تک شائع نہیں ہوئی ۔افغانستان میں امریکی حملے سے قبل ڈاکٹر ایمن الظواہری حفظہ اللہ اپنی یہی آپ بیتی لکھنے میں مصروف تھے ۔اپنی آپ بیتی لکھتے وقت ایمن الظواہری حفظہ اللہ یہ سوچ رہے تھے کہ اس کتاب کو کوئی پبلیشر شائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا ۔ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے یہ بات جن حالات وواقعات اور مشکلات کو دیکھتے ہوئے لکھی ،ہوسکتا ہے انہوں نے اپنی جگہ درست لکھا ہو لیکن ''فیکٹ'' کو یہ کتاب کسی نہ کسی طرح آپ کے ہاتھوں میں پہنچانے کا کا شرف حاصل ہو رہا ہے ۔

یہ کتاب ایمن الظواہری حفظہ اللہ کے بہت سے ''اعترافات'' پر مبنی ہے جنہیں عوام کے سامنے لایا جانا ضروری تھا ۔اس کتاب کا مسودہ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کے ایک قریبی ساتھی ''اے ایس'' (کوڈ نام) کو قندھار کے قریب ایک غار سے ملا ۔یہ کم وبیش وہی وقت تھا جب افغانستان پر امریکہ نے حملہ کیا اور ایمن الظواہری حفظہ اللہ سمیت القاعدہ کے جنگجوؤں کو فرار ہونا پڑا ۔''اے ایس'' نے اس مسودے کو لندن پہنچا دیا ۔

ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے اس کتاب کا نام '' Knights Under Prophet

Banners''رکھا تھا، جسے اس بناء پر'' مقدس جنگ'' کا نام دیا گیا کیونکہ ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے پوری کتاب کا خلاصہ مدنظر رکھتے ہوئے یہ نام رکھا تھا لیکن امریکی حملے نے انہیں یہ مہلت نہ دی کہ وہ اس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں ۔تاہم انہوں نے یہ انتظام ضرور کر دیا کہ جو کچھ انہوں نے لکھ لیا ہے وہ محفوظ ہاتھوں میں پہنچ جائے۔

ایمن الظواہری حفظہ اللہ اپنی اس آپ بیتی کے علاوہ بھی''Bitter Harvest''نامی ایک اور کتاب لکھ چکے ہیں۔اس کتاب کو انہوں نے مصری تنظیم مسلم برادر زہڈ اور اسلامی گروپ کی ناکامیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی اس آپ بیتی کو اُن کی آخری وصیت یا جہادیوں کے لئے ایک''ہدایت نامہ'' بھی کہا جاسکتا ہے ۔ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے اس میں اپنی زندگی کے مختلف مراحل، جہادی سرگرمیوں اور واقعات کو بیان کرنے کے علاوہ اسلامی جہادی تحریکوں کے ارتقاء اور نتائج پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔اس کتاب میں ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے انور سادات کے قتل کے منصوبے سے لے کر اسلام آباد کے مصری سفارت خانے میں بم دھماکے کروانے تک جہاد اور دہشت گردی کی تمام گرہیں کھول کر رکھ دی ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ جہادی تحریکوں کو اس بدلتی ہوئی صورتحال میں اب کیا کرنا چاہیئے ؟ یہ فیصلہ کرنا قارئین کا کام ہے کہ یہ کتاب ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی آخری وصیت ہے یا'' مجاہدین'' کے نام ہدایت نامہ۔۔۔۔۔۔؟

مقبول ارشد

Email : maqboolarshad@fact.com.pk

مترجم نوٹ

امریکہ پر 11 ستمبر کے حملوں کے بعد امریکی حکام نے القاعدہ کے مشتبہ افراد کی جو فہرست جاری کی ،اس میں پہلا نام اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کا جبکہ دوسرا نام ایمن الظواہری حفظہ اللہ کا ہے، جسے القاعدہ کا دماغ کہا جاتا ہے۔ایمن الظواہری حفظہ اللہ کے بارے میں بہت کم شائع ہوا ہے اسی لئے لوگ ان کے بارے میں کم جانتے ہیں۔

ایمن الظواہری حفظہ اللہ پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں اور مصر کے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جسے ڈاکٹروں کا خاندان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس خاندان میں 40 ڈاکٹر ہیں۔ایمن الظواہری حفظہ اللہ 1951ء میں قاہرہ کے ایک جنوبی علاقے سعدی میں پیدا ہوئے۔سعدی کالونی 1906 میں برطانیہ نے آباد کی تھی۔اس علاقے میں تقریباً نصف درجن زبانیں بولی اور سمجھی جاتی تھیں اور یہ علاقہ اپنے تحمل اور رواداری کی بناء پر مشہور تھا۔یہاں پچاس کے عشرے تک ملی جلی آبادی رہتی تھی ۔مختلف نسلوں کے ایک جگہ اکھٹے ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ نہایت پرکشش علاقہ بن گیا تھا۔یہاں مصر کے دونہایت اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم تھے۔یہ دو اسکول قاہرہ امریکن کالج اور فرنچ کالج فرانسیس آج بھی ایسے تعلیمی اداروں میں سرفہرست ہیں جہاں داخلہ لینا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے ابتدائی تعلیم ایک سستے سرکاری اسکول میں حاصل کی۔بعدازاں انہوں نے ڈاکٹری کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔الظواہری حفظہ اللہ جب ڈاکٹر بنے تو ان کے والد ڈاکٹر محمد ربیع الظواہری کی عین الشمس یونیورسٹی میں فارماکالوجی کے شعبے میں ڈپٹی چیئرمین کے عہدے پر فائز

تھے۔الظواہری حفظہ اللہ کے چچا محمد الظواہری ملک کے معروف ماہر امراض جلد ہیں جبکہ ان کے ایک چچا قاہرہ یونیورسٹی کے اسکول آف میڈیسن کے سابق ڈین رہے ہیں۔اس کے علاوہ ان کے خاندان کے نصف درجن افراد جامعۃ الازہر میں طب کی پریکٹس کرتے ہیں۔جرمنی کی معروف دواساز کمپنی ہوئسٹ کی مصری شاخ کے سینئر ایگزیکٹوان کے قریبی عزیز ہیں۔ایمن الظواہری حفظہ اللہ کے خاندان کے متعدد لوگ بطور سرجن اور ڈینٹسٹ خلیجی ریاستوں میں کلینک اور ہسپتال چلارہے ہیں ایمن حفظہ اللہ کی تین میں سے دو بہنوں نے بھی میڈیکل کا شعبہ اختیار کیا اور ان کی شادیاں بھی ڈاکٹروں سے ہوئیں۔

ایمن الظواہری حفظہ اللہ خاموش طبع انسان تھے جو سر سے لے کر پاؤں تک مذہب میں ڈوبے ہوئے تھے۔ایمن کے نانا ڈاکٹر محمد عبدالوہاب محمد عزام جوانی کے ایام میں طلبہ کے ایک گروپ کے ہمراہ اسکالر شپ پر برطانیہ گئے، وہاں انہیں مصری سفارت خانے میں بطور مبلغ تعینات کر دیا گیا۔عبدالوہاب عزام جمعیت الاخوان اسلامیہ کے بانی اور پہلے صدر منتخب ہوئے پھر انہیں پاکستان میں سفیر مقرر کر دیا گیا ۔ریٹائرمنٹ پر ریاض (شاہ السعود) یونیورسٹی کے قیام کا پراجیکٹ ان کے سپرد کیا گیا۔وہ اس کے پہلے ایڈمنسٹریٹر بنے۔جنوری 1959ء میں ان کے انتقال پر سعودی شاہی خاندان نے ان کی خدمات کو شاندار خراج تحسین پیش کیا۔ایمن کی خوش قسمتی رہی کہ انہیں ننھیال اور ددھیال دونوں جانب سے علمی وادبی ماحول میسر آیا۔دونوں خاندانوں نے نابغہ روزگار شخصیات پیدا کیں الظواہری حفظہ اللہ جب سعدی میں رہائش پذیر تھے تو ان کے ایک دادا ایک کزن عبدالرحمٰن حسن عزام پاشا بھی ان کے گاؤں منتقل ہو گئے جن سے الظواہری حفظہ اللہ نے بہت کچھ سیکھا۔

1975ء میں جب مصری صدر انور سادات کی معاشی پالیسیاں دنیا بھر کو دعوت دے رہی تھیں تو اس وقت ایمن الظواہری حفظہ اللہ میڈیکل کی تعلیم سے فارغ ہو رہے تھے۔70ء کی دہائی میں جب انور سادات کی امریکی پالیسیاں عروج پر تھیں تو ان کے اقدامات کو مستحسن نگاہوں سے نہ دیکھا گیا اور کالجوں سے ابھرنے والی تحریک نے پھیل کر مصری معاشرے اور سیاست کو اتھل پتھل کر دیا۔اس زمانے میں

یہودیوں اور عیسائیوں کے اتحاد سے مسلم ثقافت اور قدروں کو جو نقصان پہنچ رہا تھا، اچانک اسلام ان کے خلاف ایک مضبوط اور طاقتور حریف کے طور پر اترا اور یہودیوں کے اقدامات کا توڑ پیش کیا۔

1981ء میں ایمن الظواہری حفظہ اللہ، سادات حکومت کے خلاف سازش اور ان کے قتل میں ملوث تنظیم الجہاد کے ساتھ رابطوں کے الزام میں قید کئے جا چکے تھے۔ ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے اپنی تین سالہ اسیری کے دوران ایک راسخ العقیدہ مسلمان کا روپ دھار لیا۔ وہ عزم و عمل میں راسخ ہو چکے تھے حالانکہ مصری جیل خانے ایسی جگہیں ہیں جہاں اکثر قیدی سیکولر ذہن لے کر باہر آتے ہیں۔ ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے اپنا کلینک بند کر دیا اور سعودی عرب چلے گئے۔

سعودی عرب سے الظواہری حفظہ اللہ نے پاکستان کا رخ کیا اور پاکستان میں کلینک کھول لیا اور افغان مہاجرین کے لئے مفت طبی سہولیات فراہم کرنا شروع کیں۔ یہ وہ دور تھا جب افغانستان پر روسی فوجیں قبضے کے لئے افغانیوں سے برسر پیکار تھیں۔ افغانستان میں افغان مہاجرین کے علاج کے دوران ہی ان کی ملاقات اسامہ بن لادن حفظہ اللہ سے ہوئی۔

ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے اپنی دینی اور مذہبی پس منظر کے باعث 70ء سے ہی اسلامی تحریکوں کے لئے کام شروع کر دیا تھا اور جہاد کے لئے ارکان کا چناؤ بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ وہ اپنی کم عمری ہی سے ایسے معاملات سے منسلک تھے۔ بین الاقوامی تجزیہ نگاروں کے مطابق القاعدہ کو جس ذہانت کے ساتھ چلایا جا رہا ہے وہ درحقیقت اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے دست راست ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی ہے۔ الظواہری حفظہ اللہ نے اپنی تنظیم اسلامی جہاد کو 1998ء میں القاعدہ میں ضم کر دیا۔ ایمن الظواہری حفظہ اللہ دوسرے فرد ہیں جنہوں نے 1998ء میں امریکیوں کے خلاف اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کی جانب سے دیئے گئے مشہور فتویٰ پر دستخط کئے تھے۔

11 ستمبر کے حملوں کے بعد جاری ہونے والی ویڈیو ٹیپوں میں اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے ساتھ دکھائی دیئے۔ امریکہ میں ان پر افریقہ میں واقع امریکی سفارت خانے کو بم سے اڑانے کی فرد جرم عائد ہے

اور مصر میں انہیں غیر موجودگی میں ہی سزائے موت سنائی گئی ہے۔

الظواہری حفظہ اللہ نے ان خطرناک حالات میں اپنی آپ بیتی کیوں لکھی ؟ میرے خیال میں ظواہری اس آپ بیتی کے ذریعے اپنے دشمنوں کو پیغام دینا چاہتا ہے۔عام حالات میں ایمن الظواہری حفظہ اللہ اپنے خاندان کے دیگر لوگوں کی طرح ایک کامیاب ڈاکٹر ہوتا لیکن اچانک ان کے خیالات میں تبدیلی پیدا نہ ہوتی۔ظواہری نے اپنی راہ کیوں تبدیل کی؟اس کا ذہن کیوں بدلا؟ایک ڈاکٹر اس راستے پر کیوں چل نکلا جس کے ہر سنگ میل پر اسے اپنے خاندان اور بچوں کی قربانیاں دینی پڑیں؟ یہ سب حالات ایمن الظواہری حفظہ اللہ نے اپنی آپ بیتی میں تفصیل سے بیان کئے ہیں۔مجھے یہ کتاب برادرم مقبول ارشد نے ترجمے کے لئے دی تو ان کی خواہش تھی کہ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی اس آپ بیتی اور اعترافات کو ریکارڈ پر لایا جائے کہ ان کا پرزور اصرار فوری طور پر اس کتاب کے ترجمے کا باعث بنا۔

ارشد علی

لاہور

Email : arshadfd@yahoo.com

ابتدائیہ

میں نے یہ کتاب کیوں لکھی؟ صرف اس لئے کہ اس کا لکھا جانا مجھ پر فرض ہو چکا تھا۔ یہ آئندہ نسلوں کا مجھ پر قرض تھا جو آج میں نے چکا دیا ہے۔ میں نے اپنی زندگی کی کہانی عمر کے اس حصے میں قلمبند کرنے کو اس لئے ترجیح دی کہ شاید میں جن مسائل اور پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں آئندہ حالات مزید بدتر ہو جائیں اور بدلتی ہوئی اس صورتحال میں میرے لئے یہ ممکن نہ رہے کہ میں اپنے حالات زندگی اور اپنے خیالات آپ تک پہنچا سکوں کیونکہ زندگی اور موت ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کھیلنے میں مصروف ہیں۔

میں نے یہ کتاب لکھ تو لی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ کوئی پبلشر اسے شائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی ڈسٹری بیوٹر اس کتاب کو تقسیم کرنے پر رضا مند ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کتاب کو میری ''آخری خواہش'' کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے یہ کتاب اس لئے بھی لکھنا چاہی کہ آنے والی نسلیں اسے پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ جن حالات میں، میں گھرا ہوا ہوں شاید زیادہ نہ لکھ سکوں۔ لمحہ بہ لمحہ بدلتے حالات اور پریشان کن صورتحال میں مجھے معروف عرب شاعر کی ایک نظم دیا آتی ہے۔

دوستوں کے بغیر ایک اجنبی
جس بستی میں بھی جاتا ہے
وہ جب عظیم ہونے کی خواہش کرتا ہے
تو اس کی مدد کرنے والوں کی تعداد

آہستہ آہستہ کم ہونے لگتی ہے

اور پھر وہ۔۔۔۔

اکیلا رہ جاتا ہے!

تنہا اجنبی!!!

یہ کتاب میں نے صرف دو قسم کے لوگوں کے لئے لکھی ہے۔ایک دنیا بھر کے دانشوروں کے لئے ،دوسرا مجاہدین کے لئے۔اسی لئے میں نے اس کتاب میں آسان زبان میں بات کی ہے،صاف صاف لکھا ہے اور زبان کی نزاکتوں میں پڑنے کی بجائے ایک سادہ انداز اختیار کیا ہے۔

افغانستان کے حالات کی وجہ سے میں اس کتاب کے لئے ضروری دستاویزات اکٹھی نہیں کر سکا جو ضروری ہوتی ہیں۔میں یہاں اس بات کی نشان دہی بھی کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں ایک عہد کا پابند ہوں اور اس عہد کی وجہ سے کچھ لوگوں کے نام اس کتاب میں نہیں لکھ سکا کیونکہ وہ ابھی حالت جنگ میں ہیں اور بہت سے کردار میدان کارزار میں نئی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔

میں نے قارئین کو اس جنگ کے حقائق کی پس پردہ کہانی بیان کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ یہ کتاب پڑھنے والے اپنے خفیہ اور کھلے دشمن کو پہچان لیں۔وہ یہ پہچان کر سکیں کہ بھیڑیے کون کون سے ہیں اور لومڑیاں کون ہیں! تاکہ وہ خود کو ایسے ڈاکوؤں سے بچا سکیں جو ان کا سب کچھ چھیننا چاہتے ہیں۔

ایمن الظواہری

باب نمبر 1

دور دراز کے ملکوں کا سفر شاید میرے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔ میں قاہرہ کے ایک کلینک السیدہ زینب میں اپنے ایک ساتھی فزیشن سے ملنے جایا کرتا تھا۔ یہ کلینک اسلامی میڈیکل سوسائٹی کے زیر انتظام تھا اور اس سوسائٹی کو ''مسلم برادرز'' نامی ایک تنظیم چلاتی تھی۔ اس کلینک کے ڈائریکٹر ایک مسلم بھائی نے مجھے ایک دن افغانستان جا کر وہاں ریلیف کی کوششوں میں ہاتھ بٹانے کو کہا۔ میں اور میرا ساتھی فوراً افغانستان جانے پر رضامند ہو گئے۔ میں نے سوچا کہ یہ ایک ایسا موقع ہے جو مجھے جہادی سرزمین میں لے جائے گا۔ وہاں رہ کر مصر میں جہاد کیا جا سکتا ہے۔

افغانستان ۔۔۔اسلامی دنیا کا دل ۔۔۔ جہاں اسلام کی بنیادی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ میں اور میرے دو ساتھی ڈاکٹر 1980ء میں پاکستان کے سرحدی شہر پشاور پہنچ گئے۔ پشاور میں موسم گرما کی جھلسا دینے والی گرمی نے ہمارا استقبال کیا۔ ہمارا تین ڈاکٹروں کا گروپ افغان مہاجرین کے علاج معالجے میں مصروف ہو گیا۔

ہمارا اصل مقصد افغان مہاجرین کو طبی سہولتیں فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام آباد میں واقع امریکی سفارت خانے کو بم سے اڑانا تھا اور اگر یہ ہمارے لئے ممکن نہ ہوتا تو پھر ہمارا مقصد پاکستان میں کسی اور امریکی ادارے کو نشانہ بنانا تھا۔ ہم نے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے پر حملے کے امکان کا جائزہ لیا تو ہمیں محسوس ہو گیا کہ امریکی سفارت خانے پر بم مارنا ہماری صلاحیتوں سے ماوراء ہے۔ افغانستان جانے کا موقع مجھے ایک سونے کی پلیٹ میں رکھ کر پیش کیا گیا کیونکہ میں مصر

میں جہادی کارروائیوں کے لئے ایک محفوظ بیس کیمپ کی تلاش میں تھا کیونکہ وہاں بنیاد پرست تحریک کے ارکان کو گرفتار کرنے کے لئے چھاپے مارے جارہے تھے۔ یہاں میں اپنے ایک پرانے دوست ابوعبیدہ البنشیری کی ایک بات آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ ابوعبیدہ القاعدہ کے سابق ملٹری کمانڈر تھے۔ وہ 1996ء میں وکٹوریہ جھیل میں ڈوب گئے تھے۔ ابوعبیدہ کہتے تھے ''جب میں افغانستان پہنچا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میری عمر میں مزید سو سال کا اضافہ ہو گیا ہے''۔

افغانستان جاکر میں السنانیری کے بارے میں سنا جسے حسن ابوباشا نے تشدد کر کے مار ڈالا تھا۔ ابوباشا حکومتی سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کا ڈائریکٹر ہے جو بعد ازاں وزیر داخلہ مقرر ہوا۔ اگر چہ میں ذاتی طور پر السنانیری کو نہیں جانتا تھا لیکن اس کے ہونے کی گواہی نے پشاور اور افغانستان میں جہاں بھی ہم گئے ہمارا استقبال کیا۔ لوگ ہر جگہ اس کی باتیں کرتے نظر آتے تھے۔ ابوطلال القاسمی نے جو کہ اسلامک گروپ کے ترجمان ہیں بتاتے ہیں کہ السنانیری کو امریکہ نے کروشیا سے اغوا کیا اور 1980ء کے وسط میں مصر کے حوالے کر دیا۔ مصر میں ابوطلال اور السنانیری جب جیل میں تھے تو دونوں کی کوٹھریاں ساتھ ساتھ تھیں۔

میں نے پشاور میں چار ماہ قیام کیا اور محسوس کیا کہ افغانستان جہادی سرگرمیوں کے لئے کتنی آئیڈیل سرزمین ہے اور اگر یہاں سے جہاد کی تحریک شروع کی جائے تو اس کی کامیابی یقینی ہوگی، پھر میں مصر واپس چلا گیا جہاں مجھے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ مجھ پر الزام تھا کہ میں نے سادات کے قتل کی منصوبہ بندی کی ہے۔ میں مصر کے اندر ہی ایک محفوظ جہادی مرکز کے بارے میں سوچتا رہتا تھا کیونکہ مصری سیکورٹی فورسز کے دستے اکثر میرے پیچھے پڑے رہتے تھے۔ مصر کی سرزمین ہموار اور میدانی تھی۔ اس طرح اس سرزمین پر حکومتی کنٹرول آسان تھا۔ دریائے نیل بھی دو صحراؤں کے درمیان بہتا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کوئی سبزہ یا پانی نہیں ہے۔ اس طرح کی میدانی سرزمین گوریلا جنگ کے لئے مناسب نہیں ہوتی، اسی لئے مصر میں گوریلا جنگ ممکن ہی نہیں۔ اسی لئے وادی کے لوگوں کو حکومت

زبردستی فوج میں شامل کر لیتی ہے اور بطور فوجی کارکن ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔ دباؤ کا ماحول گھٹن کو جنم دیتا ہے اور جب گھٹن زیادہ ہو جاتی ہے تو آتش فشاں پھٹ پڑتے ہیں اور گرم اور زہریلا لاوا اُبل پڑتا ہے اور اس آتش فشاں کے نتیجے میں زلزلے آتے ہیں جو زمین کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس تمام عمل میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ 1940ء سے اسلامی تحریک مختلف حکومتی دباؤ کا شکار رہی ہے۔

اس لئے جب مجھے افغان مہاجرین کے لئے بطور ڈاکٹر اپنی خدمات سرانجام دینے کا موقع ملا تو مجھے لگا کہ میرے خوابوں اور خواہشات کو دیکھتے ہوئے شاید یہ دورہ پاکستان میرے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔ اب میں آپ کو تفصیل کے ساتھ اپنی پاکستان آمد کا حال بتاتا ہوں۔ جب مجھے افغان مہاجرین کی بحالی کے کاموں کی خاطر میڈیکل کی سہولیات دینے کے لئے پشاور جانے کی دعوت ملی تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرا ایک دیرینہ خواب پورا ہونے والا ہے۔ میں نے یہ دعوت فوراً قبول کر لی۔ میں نے سوچا کہ یہ ایک بہترین موقع ہے کہ میں مصر میں اپنی کاروائیوں کے لئے ایک محفوظ کیمپ تک رسائی میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ یہ صدر انوالسادات کا دورِ حکومت تھا۔ صدر سادات نے قومی معاملات کو اس طرح چلانا شروع کیا کہ اب ایک نئ صلیبی جنگ کے آثار نمودار ہونے والے ہیں۔

میں نے اپنے ایک دوست جو ایک انستھیز سٹ ہے (آپریشن سے قبل نشہ آور دوا یا ٹیکے سے بے ہوش کرنے کا ماہر ڈاکٹر) تھا، کے ہمراہ پاکستان کے شہر پشاور پہنچا۔ جلد بھی ہمارا ایک تیسرا ساتھی ڈاکٹر بھی ہم سے آملا جو پیشے کے لحاظ سے ایک سرجن تھا اور پلاسٹک سرجری کے امور میں مہارت رکھتا تھا۔ ہم پہلے تین عرب ڈاکٹر تھے جو افغان مہاجرین کے جسمانی دکھوں، زخموں کا علاج کر رہے تھے۔ ہمیں پشار لے جایا گیا۔ ہمیں قدم قدم پر کمال السنانیری کے نشانات دکھائی دیتے۔ اس نے افغان مہاجرین کے لئے ایک ہسپتال قائم کیا تھا۔ وہ افغانستان کے مہاجرین کے لئے صحت کی سہولتیں فراہم کرنے کا بانی تھا۔ اس کے بنائے گئے ہسپتال میں ہم نے دیگر ڈاکٹر دوستوں کے ساتھ اکھٹے مل کر کام

کیا اور یہیں ہماری ملاقات مجاہد رہنماؤں سے ہوئی۔مجاہد رہنما کمال السنانیری کی بہت تعریف کرتے تھے کہ انہوں نے مجاہد رہنماؤں کو اکٹھا کرنے میں اور ان کی رہنمائی کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ۔اگرچہ میں اسے کبھی نہیں ملا لیکن قدم قدم پر ان کی سخاوت اور نیکی کے کام مجھے نظر آتے جو اس نے اپنے خدا کو خوش کرنے کے لئے کئے تھے۔اس میں کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ کمال السنانیری کو صدر سادات کی ہلاکت کے بعد پکڑ دھکڑ کی مہم میں ہی قتل ہو جانا چاہیے تھا لیکن ڈائریکٹر اسٹیٹ سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ حسن ابو باشا نے اسے حراست میں لے کر تشدد کر کے شہید کیا۔کمال کو ستمبر 1981ء میں گرفتار کیا گیا تھا اور جب اسی سال صدر سادات کو اکتوبر کے مہینے میں قتل کیا گیا تو حکومت نے محسوس کیا کہ حکومت کا سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ ،ملٹری انٹیلی جنس اور انٹیلی جنس کے دیگر ادارے ملک میں موجود بے چینی کی حرارت ماپنے میں مکمل طور پر نا کام رہے ہیں۔

اسٹیٹ سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کو صدر سادات نے اپنے سیاسی مخالفین اور مذہبی عناصر کو کچلنے میں لگائے رکھا۔سادات کا خیال تھا کہ ستمبر 1981ء میں کئے جانے والے آپریشن کے نتیجے میں مصر اس کے سیاسی مخالفین اور مذہبی عناصر سے پاک ہو گیا ہے۔اسی وجہ سے انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ نے ''مسلم برادرز'' کے خلاف تحقیقات نئے سرے سے شروع کرنے سے پرہیز کیا کیونکہ انہیں یہ احساس جرم ستا رہا تھا کہ پہلے ہی ''مسلم برادرز'' کے خلاف غلط کاروائی کی گئی ہے۔قبل ازیں کی گئی تحقیقات دوسرے اور تیسرے درجے کی قیادت تک محدود رہیں۔ان میں جو معروف لیڈر تھے ان میں کمال السنانیری بھی تھے۔حکومت نے مسلم برادرز کے رہنما عمر ال تلمسانی کو بھی حراست میں لے کر سزا دینے پر غور کیا۔عمر ایک معمر فرد تھے۔حکومت نے بعد ازاں یہ سوچا کہ وہ تشدد برداشت نہیں کر پائیں گے اور اگر ان کو کچھ ہو گیا تو یہ بات حکومت کے لئے مشکلات کا باعث بنے گی۔

حکومت کے علم میں یہ بھی تھا کہ ''مسلم برادرز'' کے تمام تر معاملات عمر کے ہاتھ میں نہیں ہیں بلکہ اس میں کمال بھی ملوث ہے جو ''مسلم برادرز'' کی مصر کی شاخ کا عالمی تنظیم سے رابطے کا ذمہ دار ہے اور

رابطے سے متعلقہ امور کی نگرانی بھی کرتا ہے۔کمال اس مقصد کے لئے بہت زیادہ بیرون ملک سفر کرتا تھا۔اس نے افغان کاز کی حمایت کی اور افغانستان میں جہاد کو واپس لانے اور اس کے رہنماؤں کے آپس میں رابطے کروانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

مسلم برادرز کا ایک مخصوص قسم کا تنظیمی ڈھانچہ تھا۔عوام کے سامنے بظاہر عمر اس کے جنرل گائیڈ تھے۔حکومت اور عوام انہیں ہی ''مسلم برادرز'' کا اصل قائد خیال کرتی رہی۔حقیقت میں اس کی اصل لیڈر شپ ''اسپیشل آرڈر گروپ'' کے ہاتھ میں تھی جس میں مصطفیٰ مشہود۔ڈاکٹر احمد الملط رحمہ اللہ اور کمال رحمہ اللہ شامل تھے۔اس ڈھانچے کے بارے میں حکومت کو جب اطلاع ملی تو اسے پورا یقین ہو گیا کہ اگر ''مسلم برادرز'' کی کوئی خفیہ تنظیم ہے تو اس کے سارے راز کمال کے علم میں ہوں گے۔

کمال کو گرفتار کرنے کے بعد انتہائی وحشیانہ طریقے سے تفتیش کا آغاز کیا گیا۔کمال پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کی کہانی مجھے القلعہ جیل میں ڈاکٹر عبدالمنعم اور ابوالفتح نے سنائی۔یہ دونوں میری میڈیکل اسکول کے زمانے کے دوست تھے۔جیل میں ہماری بیرکیں آمنے سامنے تھیں۔انہوں نے مجھے بتایا کہ کمال کو ایک جیل سے دوسری جیل میں منتقل کرتے ہوئے لیمان طرہ جیل میں اس کے بھائیوں سے ملوایا گیا۔جب اسے عدالت میں پیش کیا گیا تو اس کا جسم جگہ جگہ سے جلا ہوا اور سوجا ہوا تھا اور اس پر بہیمانہ تشدد کے واضح نشانات تھے۔کمال نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ اس پر اتنا تشدد کیا گیا جتنا جمال عبدالناصر کے دور میں بھی نہ کیا گیا۔کمال نے عدالت کو بتایا کہ اس پر بے انتہاء تشدد کیا گیا ہے۔

کچھ عرصے بعد عبدالمنعم اور عبدالفتح کو جیل کے ایک سپاہی نے بتایا کہ تشدد کر کے ان کے ایک ساتھی کو ہلاک کر دیا گیا۔بعدازاں انہیں اپنے ذرائع سے پتہ چلا کہ وہ کمال ہی تھا جو اس بہیمانہ تشدد سے ہلاک ہو گیا تھا۔وزات داخلہ نے ایک سرکاری اعلان میں بتلایا کہ کمال نے جیل میں اپنے سیل میں اپنے ازار بند کو گلے میں ڈال کر اسے پانی والے پائپ کے ساتھ کس کر خودکشی کر لی اور مرنے سے پہلے اس نے جیل کی دیوار پر لکھا کہ ''میں اپنے بھائیوں کو بچانے کے لئے خود کو قتل کر رہا ہوں'' کمال

کے سیل کے ساتھ بالکل ساتھ والے سیل کے ایک قیدی نے جو اس تشدد کا چشم دید گواہ تھا مجھے بتایا کہ آخری رات اس پر وحشیانہ تشدد کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں کمال ہلاک ہو گیا۔

ایک عجیب بات یہ تھی کہ ''مسلم برادرز'' کو اس بات کا علم تھا کہ اسے بے پناہ تشدد کر کے ہلاک کیا گیا تھا لیکن ''مسلم برادرز'' نے اس کے قتل کا انتقام نہ لیا۔حتیٰ کہ انہوں نے تشدد کے نتیجے میں والی اس موت کے ذمہ دار افراد کے خلاف عدالت میں مقدمہ تک دائر نہ کیا، حالانکہ اس کے قتل میں ملوث بعض لوگ بڑے معروف تھے اور انہیں عدالت کے کٹہرے میں لا کر سزا دلوائی جا سکتی تھی۔کمال اپنے قدموں پر چل کر جیل میں داخل ہوا تھا اور پھر جیل سے اس کی نعش ہی نکلی۔جیل کا سپرنٹنڈنٹ، محکمہ جیل اور وزارت داخلہ اس کے قتل کی ذمہ دار تھی۔اس کی نعش کا پوسٹ مارٹم بھی نہ کروایا گیا اور اسے دفن کرنے کے بعد اس کی خودکشی کی ایک جعلی کہانی گھڑی گئی اور سرکاری میڈیا کے ذریعے لوگوں تک پہنچائی گئی۔

1980ء میں جب میں افغان جہاد کے میدان میں پہنچا تو میں نے اس جہاد کی طاقت کو محسوس کیا کہ یہ بہت زبردست ہے اور کس طرح اس سے مسلم قوم کو عام طور پر اور جہادی تحریک کو خاص طور پر فائدہ پہنچے گا۔میں اس میدان جنگ سے فائدہ اٹھانے کی اہمیت کو جان گیا تاہم اپنے پہلے دورے کے چار ماہ بعد واپس چلا گیا۔میں دوبارہ 1981ء میں واپس آیا اور یہاں مزید دو ماہ گزارے۔میرے گھریلو حالات نے مجبور کر کے مجھے دوبارہ واپس مصر پہنچا دیا۔اللہ کی شاید یہی مرضی تھی کہ مجھے تین سال مصری جیل میں گزارنے پڑے۔میری قید 1984ء میں ختم ہوئی لیکن میں اپنی ذاتی گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے دو سال تک افغان جہاد کے میدان جنگ میں واپس نہ آ سکا۔پھر میں 1986ء کے وسط میں افغانستان پہنچ گیا۔

میدان جنگ میں جو لوگ سرگرم عمل تھے ان سے رابطوں اور تعلقات کے دوران متعدد ضروری حقائق مجھ پر آشکار ہوئے، یہاں انہیں بیان کرنا ضروری ہے۔

اول: ایک جہادی تحریک کو ایسے علاقے کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ ایک ''انکوبیٹر'' کا کام کر سکے

۔ جہاں اس کے بیج اگیں اور جہاں لڑائی، سیاست اور دیگر تنظیمی امور کا عملی تجربہ کیا جا سکے۔ اس لئے برادر ابو عبیدہ البنشیر ی کہتے تھے:

''افغانستان آنے سے میری عمر میں سو سال کا اضافہ ہو گیا ہے''۔

دوم: افغانستان کے مسلم نوجوان خالص اسلامی نعرے کے تحت مسلم زمین آزاد کرانے کے لئے جنگ کر رہے تھے۔ یہ ایک بڑی جان دار حقیقت تھی۔ چونکہ مسلم دنیا میں جو بہت سی جنگیں لڑی گئی ہیں وہ مختلف نعروں کے تحت لڑی گئیں۔ بعض میں نیشنلزم کو اسلام کے ساتھ ملایا گیا جبکہ بعض میں بائیں بازو اور کمیونسٹ نعروں کو شامل کیا گیا۔ اس سے مسلم نوجوانوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ان کا اسلامی جہاد کا نظریہ خالصتاً اللہ کے دین کی سر بلندی کا ہونا چاہیے اور اس دین کے عملی نفاذ کا۔

فلسطینی معاملہ ان ملاوٹ زدہ نعروں اور نظریات کی ایک مثال ہے کہ انہوں نے خود کو شیطان کے ساتھ منسلک کر لیا اور فلسطین کھو دیا اور ایک ضروری معاملہ وہ حقیقت ہے کہ جو جنگیں غیر مسلم بینر کے تلے لڑی گئیں یا مختلف نظریات کے تحت لڑی گئیں۔ انہوں نے دشمنوں اور دوستوں کے مابین ایک واضح لکیر کھینچ دی۔ مسلم نوجوان اپنے دشمن کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہو گئے کہ کیا غیر ملکی دشمن تھا جس نے مسلم علاقے پر قبضہ کیا یا اپنا ہم وطن ہی دشمن تھا کہ جس نے اسلامی شریعت سے حکومت پر پابندیاں عائد کیں۔ مسلمانوں پر ظلم ڈھائے اور ترقی پسندی، آزادی اور قوم پرستی کے نعروں کے ذریعے بداخلاقی کو فروغ دیا۔ اس صورتحال نے وطن کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا اور غیر ملکی دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالے گئے۔ بالکل اسی طرح کی صورتحال آج کل نیو ورلڈ آرڈر کے نعروں کے تحت متعدد عرب ممالک کی ہے۔

روسیوں کے خلاف جنگ

افغانستان میں صورتحال واضح تھی ۔ایک مسلمان قوم اسلام کے جھنڈے تلے جہاد میں مصروف تھی ۔یہ مسلمان قوم ایک ایسے حملہ آور سے مقابلہ کررہی تھی جس کی پشت پناہی ایک مرتد حکومت کررہی تھی ۔افغانستان کا میدان جنگ روس کے انخلاء کے بعدان قوتوں کے خلاف جہاد کی ایک عملی مثال بن گیا ۔جنھوں نے اسلام دشمن غیرملکیوں کے ساتھ اتحاد کرلیا تھا۔اس کی ایک واضح مثال نجیب اللہ تھا جسے ہم دیکھ چکے ہیں ،وہ نماز پڑھتا،روزے رکھتااوراس نے فریضہ حج بھی ادا کررکھا تھا۔اس کے باوجوداس نے حکومت میں اسلام کے نفاذ پر پابندی لگادی اوراسلام دشمن قوتوں کے ساتھ اتحاد کرکے انہیں اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی اور پھران کے ساتھ مل کرانتہائی وحشیانہ طریقے سے مسلمانوں اورمجاہدین کو دبایا۔

ایک اوراہم نکتہ یہ ہے کہ افغانستان میں جہادی جنگوں نے مسلم نوجوانوں کے ذہن میں سپر پاور کے امیج کونقصان پہنچایا۔مسلم نوجوانوں نے دنیا کی ایک سپر پاور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کراس کے ہتھیاروں اورفوج کا مقابلہ کیا اور پھراسے شکست فاش دی۔ان نوجوانوں نے روس کے بھاری توپ خانے کواپنی آنکھوں سے تباہ ہوتے دیکھا۔یہ جہاد ایک ٹریننگ کورس ثابت ہوا۔اس کی اہمیت یہ تھی کہ اس نے اکیلی رہ جانے والی سپر پاورامریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دینے والے مجاہد تیار کرنے تھے۔

افغانستان کے ٹریننگ کیمپ نے عرب مجاہدین ،پاکستانی ،ترک ،وسطی اورمشرقی ایشیاء کے مسلمان نوجوانوں کوموقع دیا کہ وہ آپس میں ملیں اوراسلام دشمن کے خلاف جہاد کی تربیت حاصل کریں ۔اس طرح مجاہدنوجوان اور جہادی تحریکوں کا آپس میں رابطہ ہوا ۔انہوں نے ایک دوسرے سے مہارتیں حاصل کیں اور یہ بھی سیکھا کہ مختلف حالات میں مسائل کو کیسے حل کرنا ہے جبکہ امریکہ نے اس دوران

پاکستان اور مجاہدین کے مختلف گروپوں کو مالی امداد اور اسلحہ فراہم کیا جبکہ عرب مجاہدین کا امریکہ کے ساتھ تعلق قطعی مختلف تھا۔ان نوجوان عرب افغانوں کی افغانستان میں موجودگی اور ان کی تعداد میں اضافہ دراصل امریکی پالیسی کی ناکامی کو ظاہر کرتا ہے اور یہ امریکی سیاسی حماقت کا ایک معروف ثبوت ہے۔

عرب مجاہدین نے اپنے جہاد کو عطیات تک محدود نہ رکھا بلکہ اسے مسلمانوں کے عطیات بھی دلوائے۔اسامہ بن لادن نے مجھے عربوں کے عطیات کے بارے میں بتایا کہ دس سال میں دوسو بلین ڈالر کے فوجی ساز وسامان کی صورت میں موصول ہوئے۔آپ اندازہ لگائیے کہ عرب ذرائع سے غیر فوجی شعبوں مثلاً ادویات،صحت،تعلیم،ویکیشنل ٹریننگ،خوراک،سماجی بہبود(بشمول بچوں،بیواؤں اور جنگ میں زخمی ہونے والوں کو اپنالینا) کے شعبوں میں کس قدر امداد عرب ذرائع سے آتی ہوگی۔ان عطیات میں وہ خصوصی عطیات بھی شامل کر لیجئے جو کہ عید الفطر،عید الضحیٰ اور رمضان کے مہینے میں خوراک کی صورت میں آتے تھے۔اس غیر سرکاری ذرائع سے حاصل ہونے والے عطیات سے عرب مجاہدین نے ٹریننگ سنٹر قائم کئے۔انہوں نے ایسے محاذ قائم کئے جہاں ہزاروں عرب مجاہدوں کو تربیت دی گئی،انہیں مسلح کیا گیا اور انہیں گھر،سفر کے لئے خرچ اور تنظیمی امور کے لئے بھی عطیات مہیا کئے گئے۔

اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے محافظوں کی تبدیلی

اگر عرب مجاہدین امریکہ کے اجرتی قاتل ہیں اور جس طرح یہ الزام دیا جاتا ہے کہ انہوں نے امریکہ کے خلاف بغاوت کی تو امریکہ انہیں دوبارہ کیوں نہیں خرید سکتا؟ کیا اب وہ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کو اپنے سروں پر لٹکتی تلوار کی طرح محسوس نہیں کرتے؟ کیا انہیں خریدنا دفاع اور سیکورٹی پر خرچ کی جانے والی رقم سے زیادہ سستا نہیں پڑے گا؟

امریکی حسب عادت مبالغہ آمیزی اور سطحیت سے کام لیتے ہوئے لوگوں کے توہمات فروخت کررہے ہیں اور بنیادی حقائق کو فراموش کررہے ہیں۔کیا یہ ممکن ہے کہ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ افغانستان میں ایک امریکی ایجنٹ ہے؟ جس نے 1987ء میں اپنی ایک تقریر میں اس ساز وسامان کا بائیکاٹ کا کہا تھا جو امریکہ نے فلسطین میں برسرپیکار انتفادہ کی حمایت کیلئے بھیجا تھا۔کیا ایسا شخص امریکی ایجنٹ ہوسکتا ہے؟

مجھے یاد ہے کہ ان دنوں اسامہ بن لادن حفظہ اللہ نے پشاور میں کویت کے عطیے سے تیار ہونے والے ہسپتال کے دورے کے موقع پر اپنی تقاریر کے بارے میں ہم سے گفتگو کی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ اپنی حفاظت کے لئے کئے جانے والے طریقہ کار کو تبدیل کریں۔آپ فوری طور پر اپنے حفاظتی نظام میں تبدیلیاں لائیں کیونکہ اب امریکہ اور یہودیوں کو آپ کا سر چاہیے۔اب کمیونسٹ اور روسی آپ کے دشمن نہیں بلکہ اس سرفہرست میں امریکہ اور یہودیوں کو بھی شامل کرلیجئے ۔آپ سانپ کے سر کو کچل رہے ہیں اس لئے آپ کو ہوشیار رہنا چاہیے۔

علاوہ ازیں کیا یہ ممکن ہے کہ عبداللہ عزام شہید امریکہ کا معاون ہو؟ جبکہ اس نے نوجوانوں کو کبھی منع نہ کیا جو امریکہ کے خلاف دیگر نوجوانوں کو ترغیب دے رہے تھے اور اس نے ہر ممکن حد تک حماس کی مدد کی۔کیا یہ ممکن ہے کہ مصر میں جہادی تحریک امریکہ کے تعاون سے چلائی گئی ہو؟ جبکہ خالد الاسلامبولی اور اس کے ساتھیوں نے انورالسادات کو اس وقت قتل کیا جبکہ ابھی عرب مجاہدین کی افغانستان میں آمد شروع نہ ہوئی تھی۔

دراصل امریکہ پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی تھی کہ عرب افغانوں اور افغان مجاہدین نے جو کہ کھرے دل کے مالک تھے، امریکی اسکیم کو ناکام بنادیا ہے۔امریکہ اس جنگ کو روس کے خلاف جنگ چاہتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے عرب مجاہدین کو جہاد کا بھولا ہوا سبق یاد دلادیا۔اس وجہ سے امریکہ بوسنیا ہرزگوینیا میں اس خطرے سے خبردار تھا۔ڈٹین معاہدے کے نفاذ کی اولین شرط یہی تھی کہ تمام عرب مجاہدین کو

بوسنیا سے نکال دیا جائے۔افغانستان کے میدان جنگ میں مسلمانوں خاص طور پر عرب مجاہدین کی موجودگی نے افغانستان کو ایک مقامی اور علاقائی مسئلے سے نکال کر اسے ایک عالمی اسلامی مسئلہ بنادیا تھا۔

پاکستان میں مصری سفارت خانے کو کیوں اڑایا گیا؟

پاکستان سے عرب مجاہدین کے انخلاء کے بعد مصر کی حکومت نے پاکستان میں ایک شیر کی طرح کا رویہ اختیار کرلیا۔مصری حکومت کی پشت پر امریکہ تھا جس کا پاکستان پر بہت اثر تھا۔قبل ازیں 1950ء کے عشرے سے مصری حکومت کے پاکستان کے ساتھ تعلقات انتہائی برے تھے کیونکہ مصر کی حکومت مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ہمیشہ بھارت کا ساتھ دیتی تھی۔جمال عبدالناصر کی حکومت کے دنوں میں حکومت کا مسئلہ کشمیر پر موقف یہ تھا کہ یہ بھارت کا اندرونی مسئلہ ہے۔

مصری حکومت نے پاکستان میں عربوں کا تعاقب کیا۔خاص طور پر ان مصری شہریت رکھنے والوں کا جو کہ پاکستان میں تھے۔صورتحال یہاں تک پہنچ گئی کہ اسلام آباد کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے والے ایک مصری طالب علم کو جو کہ قانونی طور پر پاکستان میں مقیم تھا اور قانونی طور پر طالب علم تھا،اسے ملک بدر کردیا گیا۔علاوہ ازیں دو ایسے مصریوں کو جو پاکستانی لڑکیوں سے شادی کر کے پاکستانی شہریت حاصل کر چکے تھے،انہیں گرفتار کرلیا گیا۔پاکستانی حکومت امریکہ اور مصر کے سامنے اس حد تک جھک گئی کہ اس نے ان مصریوں کو پاکستانی عدالتوں میں پیش کرنے سے پہلے ہی انہیں مصر کے حوالے کر دیا اور اس طرح پاکستانی قانون اور آئین کی توہین کی گئی۔

مصری حکومت کی مصر میں بنیاد پرستی کے خلاف مہم میں وسعت اب مصر کی حدود سے نکل کر باہر بھی پھیل گئی تھی۔اب وقت کا تقاضا تھا کہ مصر کو اس کا جواب دیا جائے۔اس وجہ سے ہم نے فیصلہ کیا کہ جواب میں ہمیں ایسے ہدف کو تباہ کرنا چاہیے جس سے اس نفرت انگیز اتحاد کو زک پہنچے۔کچھ غور وخوض

کے بعد ہم نے ایک ٹیم تشکیل دینے کا فیصلہ کیا جو کہ یہ جواب دے۔اسے ہم نے ہدایت کی یہ وہ درج ذیل اہداف کو نشانہ بنائے۔

اول: پاکستان میں امریکی سفارتخانے کو نشانہ بنایا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ملک میں امریکہ کے کسی اور ہدف کو تباہ کیا جائے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر مسلمانوں سے تاریخی نفرت رکھنے والے کسی مغربی ملک کے سفارتخانے کو تباہ کیا جائے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر پاکستان میں مصری سفارت خانے کو تباہ کر دیا جائے۔امریکی سفارت خانے کی تباہی کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ اس کی سخت نگرانی کی جاتی ہے، چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ امریکی سفارت خانے کو تباہ کرنا ٹیم کی صلاحیت سے باہر ہے چنانچہ اسلام آباد کے اندر ہی ایک اور امریکی ٹارگٹ کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا لیکن کڑی نگرانی کے بعد جائزہ لیا گیا کہ اس سے صرف چند امریکی ہی مریں گے جبکہ زیادہ تر ہلاکتیں پاکستانیوں کی ہوں گی۔

اس دوران جاسوسی کے ذریعے یہ عقدہ بھی کھلا کہ کسی مغربی سفارتخانے کو تباہ کرنا ٹیم کی صلاحیتوں سے باہر ہے تاہم بالآخر یہ حتمی فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان میں مصری سفارت خانے کو تباہ کر دیا جائے جو کہ نہ صرف پاکستان میں عرب، افغانوں کی گرفتاری کی مہم شروع کئے ہوئے ہے بلکہ عرب افغانوں کے خلاف جاسوسی بھی کر رہا ہے۔بعد ازاں پاکستانی سیکورٹی ایجنسیوں نے سفارت خانے کی تباہی کے بعد ملبے سے سے ایسے کاغذات اپنے قبضے میں لئے جن سے یہ عقدہ کھلا کہ جاسوسی کے شعبے میں مصر اور بھارت ایک دوسرے سے تعاون کر رہے تھے۔

حملے سے قبل ٹیم کو پیغام دیا گیا کہ اگر انہیں مزید رقم دی جائے تو وہ مصر کے سفارتخانے کے ساتھ ساتھ امریکی سفات خانہ بھی تباہ کر سکتے ہیں۔ہم جو دے سکتے تھے دیا تاہم، مزید رقم نہیں دے سکے جس کی وجہ سے ٹیم نے مصری سفارت خانے کی تباہی پر اپنی توجہ مبذول کئے رکھی اور اسے ایک دھماکے سے اڑا دیا۔دھماکے نے سفارتخانے کی عمارت کے ملبے کو ایک واضح پیغام میں تبدیل کر دیا تھا۔

باب نمبر 2

ماضی پر ایک نظر

مصر میں جہادی تحریک اس وقت شروع ہوئی جب ناصر کی حکومت نے ''مسلم برادر ہڈ'' (ایم بی) کے خلاف 1965ء میں مہم شروع کی۔ ایم بی کے تقریباً سترہ ہزار اراکین کو جیلوں میں ڈال دیا گیا اور ایم بی کے نمایاں مفکر سید قطب شہید اور اس کے دو ساتھیوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا دیا گیا اور اس عمل سے قبل حکومت نے سوچا کہ اس نے مصر میں اسلامی تحریک کو ہمیشہ کے لئے کچل دیا ہے لیکن اللہ گواہ ہے کہ یہ واقعات مصر میں جلتی پر تیل چھینکنے کا باعث بنے اور ان واقعات نے حکومت کے خلاف جہادی تحریک کے شعلے کو اور بھی بھڑکا دیا۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ

سید قطب رحمہ اللہ کو مکمل یقین تھا کہ اسلام میں مسلمانوں کے اتحاد کا مسئلہ بنیادی اور اہم ہے اور مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے مابین جنگ ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ جنگ دراصل فیصلہ کرتی ہے کہ اصل طاقت اور حکمرانی کس کی ہے؟ اللہ کے قوانین کی یا انسان کے بنائے ہوئے قوانین کی۔ سید قطب کے اس عقیدے نے اسلامی تحریکوں کو ان کے اصل دشمن پہنچاننے میں مدد دی۔ اس نے اس حقیقت کو جاننے میں بھی مدد دی کہ اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے کم خطرناک نہیں اور یہ کہ اندرونی دشمن دراصل ایک بیرونی دشمن کے ہتھیار کے طور پر کام کر رہا تھا اور یہ کہ یہ اس کی ایک ڈھال بن گیا تھا اور یہ ایک پردہ تھا جس کے پیچھے اصل دشمن نے اسلام کے خلاف جنگ کو چھپا لیا تھا۔

سید قطب رحمہ اللہ کے گرد جمع ہونے والوں نے حکومت کو اس کی اسلام دشمن حرکتوں سے باز رکھنے کا ایک پروگرام ترتیب دیا۔ گروپ نے یہ پروگرام بنایا کہ حکومت کو احساس دلایا جائے کہ اس کی حرکتیں اسلام کے خلاف ہیں۔ حکومتی پالیسیاں اللہ کی شریعت کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اس گروپ کا پروگرام انتہائی سادہ تھا۔ ان کا یہ پروگرام ہرگز نہ تھا کہ حکومت کو نکال باہر کیا جائے اور قیادت کا ایک خلاء تشکیل دیا جائے بلکہ ان کا پروگرام یہ تھا کہ حکومتی اقدامات کے خلاف مزاحمت کی جائے، اس سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کی جائیں، مدافعانہ حکمت عملی اختیار کی جائے اور اگر مسلمانوں کو دبانے کے لئے کوئی مہم چلے تو اس کے خلاف مزاحمت کی جائے۔

اس گروپ کے پلان کے پیچھے ایک عظیم نظریہ تھا، گو کہ اس گروپ کی طاقت اور تعداد کم تھی۔ لیکن نظریہ چھوٹا نہ تھا۔ نظریہ یہ تھا کہ اسلامی تحریک اپنی طاقت اور صلاحیت کے ساتھ اس حکومت کے خلاف ایک جنگ کا آغاز کر چکی ہے کیونکہ موجودہ حکومت اسلام کے خلاف ہے اگر چہ حکومت نے سید قطب کے گروپ کے افراد کو حراست میں لے لیا، انہیں ہراساں کیا گیا، انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا لیکن حکومت سید قطب کے گروپ کو مسلم نوجوانوں میں پھیلنے سے نہ روک سکی۔ سید قطب اپنے اللہ کے وفادار تھے اور اللہ کو ہی سپریم طاقت خیال کرتے تھے۔ یہ تحریک ایک ایسی چنگاری تھی جس نے اسلامی تحریک کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو باآور کرا دیا تھا کہ یہ چنگاری ایک دن کسی اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اس انقلاب کے خونی باب ایک ایک کر کے لکھے جاتے رہے اور اس انقلاب کا نظریہ اور بھی راسخ ہوتا چلا گیا۔ پروفیسر سید قطب رحمہ اللہ نے بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں مصر کے نوجوانوں کو خاص طور پر اور خطے کے عرب نوجوانوں کو عام طور پر سیدھے راستے پر لانے میں اہم کردار ادا کیا۔

سید قطب رحمہ اللہ کی سزائے موت کے بعد ان کی تعلیمات نے مصر میں نوجوانوں کو جتنا متاثر کیا اتنا اثر کسی اور مسلم اسکالر کی تعلیمات کا کبھی نہیں ہوا۔ وہ الفاظ جو سید قطب رحمہ اللہ نے اپنے خون سے تحریر

کئے تھے وہ مسلم نوجوانوں کے لئے ایک شاندار منزل کے نشانِ راہ بن گئے اور مسلم نوجوانوں کو یہ احساس ہوا کہ ناصر کی حکومت اور اس کے کمیونسٹ ساتھی سید قطب رحمہ اللہ کے اتحاد کے پیغام سے کتنا خائف تھے۔

سید قطب رحمہ اللہ وفاداری اور انصاف کے ساتھ لگاؤ کی ایک بھرپور مثال بن گئے۔اس نے ظالم حکمران جمال عبدالناصر کے سامنے سچ بولا اور پھر اس کے عوض اپنی جان قربان کردی۔اس کے الفاظ اور قیمتی ہوگئے جب اس نے جمال عبدالناصر سے معافی مانگنے سے انکار کردیا۔

سید قطب رحمہ اللہ نے کہا ''وہ شہادت کی انگلی جو ہر نماز میں اللہ کی وحدت کا اعلان کرتی ہے ایک ظالم حکمران سے معافی مانگنے کا انکار کرتی ہے''۔ناصر کی حکومت نے محسوس کیا کہ سید قطب رحمہ اللہ اور اس کے ساتھیوں کی سزائے موت اور ہزاروں ساتھیوں کی حراست اور قید سے اسلامی تحریک کچلی گئی ہے لیکن ان کی شہادت نے اسلامی جہادی تحریکوں کے جو بیج بوئے تھے اس نے مصر میں جدید اسلامی جہادی تحریک کے پودے کو پروان چڑھایا۔

ظالم حکمران جس نے اپنی تقاریر میں اپنے دشمنوں کو ڈرایا دھمکایا بالآخر ایک عزت بچانے والے حل کی جانب چل پڑا۔جمال عبدالناصر کی وفات کے بعد حکومت کو ایک زبردست دھچکا لگا حالانکہ تین سال قبل ہی اسے اپنی شکست کے واضح آثار نظر آنا شروع ہوگئے تھے۔ناصر کی موت کے بعد عرب نیشنلزم کے رہنماء کا نظریہ بھی اس کی موت کے ساتھ ہی چلا گیا۔عبدالناصر کی موت ایک فرد کی موت نہ تھی بلکہ یہ اس کے اصولوں کی موت تھی جو کہ عملی میدان میں ناکام ہوگئے تھے۔اس کے بعد ایک اور حکمران آیا جس نے اپنی باری لی اور نئے واہمے فروخت کرنے شروع کردیئے۔کچھ سالوں کے بعد عام مصریوں کے لئے جمال عبدالناصر کا نام ایک ایسی چیز بن گیا جس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

سادات دور میں بنیاد پرستی کا پھیلاؤ

انورالسادات کا طاقت کا مفروضہ مصر میں ایک نئی سیاسی تبدیلی کا باعث خیمہ ثابت ہوا۔ ہر تبدیلی کی طرح یہ تبدیلی بھی آغاز میں کمزور تھی لیکن آہستہ آہستہ یہ مضبوط ہوتی چلی گئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے نقوش واضح ہوتے چلے گئے۔ سادات نے پرانی حکومت کے حمایتیوں کو آہستہ آہستہ نکالنا شروع کر دیا۔ ان حمایتیوں کو نکالنے کے لئے اس کے پاس سب سے کارگر ہتھیار اس کی اجازت تھی جو اس نے ایسے افراد کو کچلنے کے لئے دے رکھی تھی۔ جیسے ہی اسلامی تحریک پر سے تھوڑا سا دباؤ کم کیا گیا ،اسلامی تحریک کا جن بوتل سے باہر نکل آیا اور اس نے دوبارہ لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنا شروع کر دیا۔ چند ہی سالوں بعد یونیورسٹیوں اور کالجوں میں مسلم نوجوانوں نے اسٹوڈنٹس یونین کے انتخابات میں زیادہ تر نشستیں جیت لیں۔ اب اسلامی تحریک نے ٹریڈ یونینز کو کنٹرول کرنے کے لئے آگے بڑھنا شروع کیا کر دیا تھا۔ اسلامی تحریک کی نشوونما کے ایک نئے مرحلے کا آغاز ہو گیا تھا لیکن اس مرتبہ ماضی کو نہیں دہرایا گیا حالانکہ اسلامی تحریک اسی بنیاد پر تعمیر کی گئی۔ سابقہ تجربوں اور واقعات سے سبق سیکھا گیا۔

اسلامی تحریک نے اپنی نشوونما نوجوانوں میں پھیلاؤ اور گہری بیداری کے دور میں داخل ہونے کا آغاز کر دیا تھا اور تحریک کو یہ بھی ادراک تھا کہ اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے کم خطرناک نہیں ہے۔ یہ شعور تاریخی حقائق اور عملی تجربات کی وجہ سے پھلا پھولا۔ کچھ پرانی نشانیاں ابھی بھی ان خیالات سے چمٹی ہوئی ہیں کہ لڑائی صرف بیرونی دشمن سے کی جائے اور یہ اسلامی تحریک اور حکومتیں آپس میں متصادم نہیں ہیں تاہم نئی بیداری اپنے عملی تجربے کی وجہ سے ان تمام ابہام سے پاک تھی۔

ملٹری ٹیکنیکل کالج کا معاملہ

ملٹری ٹیکنیکل کالج گروپ صالح سریہ کی مصر آمد کے ساتھ ہی تشکیل پانے لگا، جب صالح نے ایم بی کے بڑے لیڈروں سے تعلقات بنانے کا آغاز کیا، جیسا کہ مسز زینب الغزالی اور حسن الھضیبی ، جنہوں

نے نوجوان لوگوں کا ایک گروپ بنایا اور جسے تبلیغ کی جاتی تھی کہ وہ برسراقتدار حکومت کی مخالفت کریں۔

صالح ایک جادوئی طاقت رکھنے والا خطیب اور اعلیٰ پائے کا دانشور تھا جس نے عین شمس یونیورسٹی قاہری سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی تھی، وہ شریعت کی سائنس کو بخوبی سمجھتا تھا۔ایک دفعہ وہ ایک اسلامی جمبوری میں ساریہ سے ملا، ان کی یہ ملاقات کالج آف میڈیسن میں ہوئی تھی۔ساریہ کو کالج کی جمبوری میں تقریر کے لئے دعوت دی گئی تھی، جب میں نے اس کی تقریر سنی تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کے الفاظ میں بڑا وزن ہے اور اس کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی حمایت کی جائے۔میں نے اس سے ملنے کا فیصلہ کیا لیکن میری تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔

ساریہ کا قائم کردہ گروپ بڑھا اور اس قابل ہو گیا کہ یہ ملٹری ٹیکنیکل کالج کے طلباء کو اپنے میں شامل کر سکے نوجوانوں نے ساریہ پر حکومت کے خلاف مزاحمت کرنے کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔اس دباؤ کے تحت وہ حکومت کو نکال پھینکنے کی ایک کوشش پر رضامند ہو گیا۔ایک منصوبہ تشکیل دیا گیا جس کے تحت گروپ کے ارکان کالج کے گیٹ پر کھڑے پولیس کے گارڈ پر حاوی ہو جائیں گے اور پھر کالج کے اندر داخل ہو جائیں گے اور کالج کے اندر پولیس کی گاڑیاں اور اسلحہ چھپا دیں گے اور اس عمل کے لئے کالج میں چوکیدار کے بھیس میں پھرنے والے اپنے ہی ساتھیوں کی مدد لی جائے گی پھر عرب سوشلسٹ یونین ہیڈ کوارٹر کی جانب بڑھا جائے گا تا کہ سادات اور اس کی حکومت کے افسران پر حملہ کیا جا سکے جو اس وقت اجلاس میں مصروف ہوں گے۔

بغاوت کی یہ کوشش شدید ناکامی سے دوچار ہوئی کیونکہ اسے تیار کرتے وقت متعدد زمینی حقائق کو سامنے نہیں رکھا گیا تھا، جس گروپ نے کالج گیٹ پر حملہ کیا وہ غیر تربیت یافتہ تھا۔اس منصوبے پر عملدرآمد کے وقت اور بھی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ بات جس کی جانب میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جمال عبدالناصر کے بعد اب یہ تحریک اس طرح کی نہیں تھی کہ اسے گمنامی کے

اندھیرے میں پھینک دیا جائے، یہ ایک بڑی تحریک بن چکی تھی۔اس تحریک نے 1967ء کی شکست کے بعد ایک نئی نسل کو جنم دیا۔ یہ نسل جہاد کے میدان میں واپس آ گئی ۔ان کے ہاتھوں میں حکمرانوں کے خلاف ہتھیار تھے۔حکمران ۔۔۔جو کہ امریکی غلام تھے اور جو اسلام سے عناد رکھتے تھے۔

صالح سریہ

اگرچہ اس آپریشن کا آغاز میں ہی ختم کر دیا گیا لیکن اس نے نئی تبدیلی کی راہ دکھائی۔قبل ازیں اسلامی تحریک نے ناصر کے ظالمانہ اقدامات کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے۔زیر حراست گروپ کو عدالت تک لے جایا گیا اور صالح سریہ، کریم الاناضولی،طلال الانصاری کو سزائے موت سنائی گئی ۔حکومت نے ان تینوں سے کہا کہ وہ ملک کے صدر سے رحم کی اپیل کریں۔کریم اناضولی نے معافی کی درخواست دائر کی چنانچہ اس کی سزائے موت،عمر قید میں تبدیل کر دی گئی جبکہ صالح اور طلال نے معافی کی درخواست دینے سے انکار کر دیا۔

ایک روز جیل کے احاطے میں قیدی صالح کے اردگرد جمع ہوئے اور اسے مجبور کرنے لگے کہ وہ معافی کی درخواست کر دے تا کہ اس کی جان بخشی کر دی جائے۔صالح نے قیدیوں سے کہا: ''سادات کے پاس میری زندگی بڑھانے کی کون سی طاقت ہے'؟اس اندھیری جیل کو دیکھو،اس کی ناقص خوراک کو دیکھو اور اس کی بند لیٹرینوں کو دیکھو جس میں ہم یہ کھانا پھینک دیتے ہیں۔یہ اصل زندگی ہے۔ہم اس سے کیوں چمٹے رہیں''؟

صالح کو پھانسی دینے سے قبل جب آخری ملاقات کے لئے اس کی بیوی بچوں کے ہمراہ موت کی کوٹھری میں اس سے ملاقات کرنے آئی تو صالح نے اس سے کہا کہ اگر اس نے معافی کی درخواست دی تو اسے طلاق دے دی جائے گی ۔سزائے موت کے روز جیل کے عملے گارڈز اور حکومتی سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کے عملے کے لوگ طلال انصاری کی کوٹھی میں داخل ہوئے تا کہ اسے باندھ کر تختہ دار

تک لے جائیں۔طلال نے ان سے کہاٹھہرو! مجھے اپنے اللہ کے سامنے دومرتبہ سجدہ کرنے دو‘‘۔اس پرایک سیکورٹی افسر نے کہا کہ’’جس کے پاس جارہے ہووہیں جا کرسجدہ بھی کرلینا‘‘اس پردوقیدیوں عدیل فارس اور صلاح فارس نے اس افسر کو پکڑ کر مارنا شروع کردیا اوراس کی ایک آنکھ پھوڑ دی ۔عدیل اورصلاح کوملک بدرکردیا گیا۔عدیل افغانستان چلا گیا،جہاں وہ شمالی افغانستان میں ایک معرکے میں لڑتا ہوامارا گیا۔

الجہاد آرگنائزیشن کا احیاء

ٹیکنیکل ملٹری کالج کے مقدمے میں گرفتارہونے والوں نے جیل سے رہائی کے بعدتحریک کودوبارہ منظّم کرنے کی کوشش کی۔پہلی کوشش 1977ء میں اس وقت ناکامی سے دوچار ہوئی جب حکومت نے تمام گروپ کوگرفتارکرلیا۔گروپ نے دوسری کوشش 1979ء میں کی لیکن ان کی صفوں میں موجودایک مخبر نے حکومت کوخبرکردی چنانچہ گروپ کے بچے کچھے ارکان کو 1979ء میں دوسری مرتبہ گرفتار کرلیا گیا۔گرفتارہونے والوں میں’’الفریضہ الغائبہ‘‘ کتاب کے مصنف محمدعبدالسلام فرج بھی شامل تھے۔فرج کی سرگرمیاں شمال مصر،الجزاہ اورقاہرہ تک محدودتھیں۔

جونوجوان مصرکی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کررہے تھے انہوں نے شیخ عمرعبدالرحمٰن کا نام سناوہ انہیں مختلف لیکچرز ،جمہوری کانفرنسوں میں بلانے لگے۔یونیورسٹیوں میں اپنا اثر قائم کرکے انہیں قابوکرنے کے بعدنوجوانوں نے یونیورسٹیوں کے باہرکے حالات پرتوجہ دی اور عام لوگوں کوحالات سے باخبرکرکے اپنے ساتھ ملانے کا آغاز کیا۔ان سب کی سب سے اہم سرگرمی اسرائیل سے امن مذاکرات اورشاہ ایران کی مصری حکومت کی جانب سے میز بانی کے خلاف احتجاجی جلسے جلوس منعقدکرنا تھی۔

محمد بن عبدالسلام فرج اوراس کے ساتھی جنوبی مصرمیں نوجوانوں سے ملے۔ان دوگروپوں کوملاکر

ایک گروپ ''الجماعۃ الاسلامیہ'' تشکیل دیا گیا۔اس کی قیادت عمر عبدالرحمٰن نے سنبھالی جو آج کل امریکی ریاست منی سوٹا کی راکسٹر جیل میں عمر قید کی سزا بھگت رہے ہیں۔ان پر الزام ہے کہ یہ 1993ء میں نیویارک میں بموں کے حملے کے واقعے میں ملوث ہیں۔

باب نمبر 3

سادات کا قتل اس منصوبے کا حصہ تھا جس میں تمام اعلیٰ حکومتی عہدیداروں کو قتل کر کے ریڈیو کی عمارت پر قبضہ کرنا شامل تھا۔ پروگرام اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ سب سے پہلے مرحلے میں چھ اکتوبر کو جب صدر سادات فوجی پریڈ کی سلامی لے رہے ہوں تو انہیں اعلیٰ حکومتی شخصیات کے سامنے قتل کر دیا جائے۔ اعلیٰ سرکاری افسروں کے بڑے پیمانے پر قتل کے بعد قاہرہ ریڈیو کی عمارت پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس منصوبے کا ابتدائی مرحلہ جو سادات کے قتل پر مشتمل تھا پورا ہو گیا لیکن زیادہ تر سرکاری حکام فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور ریڈیو کی عمارت پر بھی قبضہ نہ ہو سکا۔

اس منصوبے کا دوسرا محاذ آسی یوٹ شہر میں مسلح بغاوت برپا کر کے شہر کا محاصرہ کرنا شامل تھا۔ یہ مسلح بغاوت سادات کے قتل کے دو روز بعد شروع ہوئی۔ دوسرے الفاظ میں یہ اس وقت شروع ہوئی جب مسلح افواج ملک پر کنٹرول کرنے اور حکومت کو بچانے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ یہ بغاوت اس حد تک کامیاب ہوئی کہ محض چند تھانوں پر قبضہ کر لیا گیا لیکن حکومت کے خصوصی دستوں نے نوجوان مجاہدین پر گولہ بارود سے حملہ کر دیا جس پر مجاہدین کو اسلحہ چھوڑ کر ان تھانوں کو خالی کرنا پڑا۔

آسی یوٹ شہر میں مسلح بغاوت کی قسمت میں ناکامی لکھ دی گئی تھی۔ یہ ایک جذباتی بغاوت تھی جسے اچھے طریقے سے ترتیب نہ دیا گیا تھا۔ سادات کے قتل کے دو روز بعد برپا کی جانے والی بغاوت ایک غیر حقیقی منصوبے پر مشتمل تھی۔ اس میں دشمن کی طاقت اور اس کے اسلحے کا غلط اندازہ لگایا گیا تھا۔ اس طرح یہ بغاوت سادات کے قتل کا مرکزی مقصد حاصل کرنے کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہوئی۔ اس بغاوت کو اس کے مابعد اثرات کے حوالے سے جانچنا بہت ضروری ہے۔ بغاوت نے بہت سے حقائق

کو ثابت کیا۔

اول: یہ واقعہ بنیاد پرستوں کے حوصلے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنے سے زیادہ بڑی طاقتور اور مسلح فوج سے ٹکرا گئے۔

دوم: یہ واقعہ اس تحریک کی جارحانہ نوعیت کو ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے صدر اور اس کے حواریوں کو ایک بڑے اجتماع کے سامنے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

سوم: اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی حکومت جو غیر اسلامی ہو، اسے زبردستی تبدیل کردو، یہ اس تحریک کا مرکزی نقطہ بن گیا۔

چہارم: اس حملے نے ثابت کر دیا کہ اسلام کے دشمن وائٹ ہاؤس میں ہوں یا تل ابیب میں یا پھر مصر میں، انہیں اسلام پسندوں کے خلاف ہر مہم کے جواب کی توقع رکھنی چاہیے۔

پنجم: اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امن وامان کو قائم کرنے والے ادارے مکمل طور پر ناکام ہیں اور انہیں ملک میں موجود جہادی لہر کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ یہ لہر اس حد تک موثر تھی کہ کچھ لوگ مسلح افواج میں گھس گئے اور انتہائی سخت حفاظتی انتظام کے باوجود انہوں نے اتنا بڑا اقدم اٹھایا۔

میں کہتا ہوں کہ 1981ء میں بغاوت کرنے والے نوجوان خالص تھے، وہ ہوشیار تھے۔ انہوں نے اپنے مذہب، عقیدے، قوم اور وطن کی حفاظت میں ہتھیار اٹھائے۔ ٹیکنیکل ملٹری کالج کا آپریشن اپنی نوعیت کا واحد آپریشن نہ تھا۔ اس آپریشن کے کچھ عرصے بعد یحیٰی ہاشم نے المینیا کے پہاڑوں میں گوریلا جنگ شروع کر دیا۔ اگر چہ یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی کیونکہ اس گوریلا جنگ کے لئے جو ضروری لوازمات تھے انہیں پورا نہ کیا گیا تھا لیکن اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم آئیڈیالوجی میں تبدیلی ایک ٹھوس حقیقت بن چکی تھی۔ یہ حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ آج کے مسلم نوجوان 1940ء میں اپنے آباؤ اجداد سے مختلف تھے۔

مصر میں یحییٰ ہاشم جہاد کا بانی تھا۔اللہ نے اسے بلند ارادوں اور آہنی عزم سے نوازا تھا۔اس کی ایک اعلیٰ خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے یقین کے ساتھ ڈٹ جاتا تھا،وہ۔۔۔اللہ اس پر رحمت نازل کرے ایک خالص انسان تھا،اس کا دل مسلم بھائیوں کے دکھ پر تڑپتا تھا۔یحییٰ نے ہمارے گروپ میں کس طرح شمولیت اختیار کی؟یہ ایک انوکھی داستان ہے۔اس وقت ملک میں طلباء یونینوں کی سورشیں برپا تھیں۔ہم نے یونیورسٹی کے طالب علموں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے ایک مظاہرے کا اہتمام کیا۔یہ احتجاجی مظاہرہ امام الحسین رضی اللہ عنہ مسجد سے شروع ہو کر الازہر اسٹریٹ تک جانا تھا اور پھر اس نے قاہرہ کے مرکز تک پہنچنا تھا۔

جمعہ کی نماز کے دوران ہم مسجد امام الحسین رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔گروپ کے تمام لوگ مسجد کے چاروں کونوں میں پھیل گئے۔نماز کے بعد یحییٰ ہاشم کھڑے ہوئے اور لوگوں سے خطاب کرنے لگے اور مسلم قوم کو پہنچنے والے صدمے کی وضاحت کرنے لگے۔ہم نے ''اللہ اکبر'' کے نعروں سے اس کے خطاب کو گرمادیا لیکن جاسوس اس صورتحال کی تناؤ سے نپٹنے کے لئے تیار تھے۔جاسوسوں نے اسے گھیر لیا اور مسجد سے باہر نکالنے کے لئے دھکیلنا شروع کر دیا۔لوگ اس نوجوان کی جراءت پر حیران تھے لیکن یحییٰ نے اس تنگ گھیرے کے دوران بھی چلا چلا کر اپنی تقریر جاری رکھی۔جب اسے گھیر کر مسجد سے نکالا گیا تب بھی وہ تقریر کر رہا تھا۔ایک ایجنٹ نے یحییٰ کو خاموش کرانے کے لئے ایک داؤ کھیلا،اس نے اس کی گردن پکڑ لی اور زور زور سے چلانے لگا کہ تم ایک چور ہو،تم نے میرا پرس اڑا لیا۔اس کے بعد باقی ساتھی بھی زور زور سے چلانے لگے اور دھکیلتے ہوئے ایک میڈیکل اسٹور میں لے گئے جہاں اسے گھسیٹتے ہوئے ایک کار میں ڈالا گیا اور اسے جنرل انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر حسن طلال کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

ناصر کی حکومت پریشان اور کمزور تھی،اس کے سیکورٹی ڈیپارٹمنٹ کو پتہ علم نہ تھا کہ اس قسم کی صورتحال میں کیا کرنا چاہیے۔وہ دو انتہاؤں کے درمیان پھنسے ہوئے تھے۔ایک طرف بدعنوان

حکومت تھی جبکہ دوسری طرف مزاحمت کا ایک بے مثال منظرنامہ تھا۔یحییٰ نے ہمیں اس انٹرویو کے بارے میں بتایا جو حسن طلال کے دفتر میں اس سے لیا گیا۔اس نے یہ بھی بتایا کہ حکومت اس وقت دوہرے تذبذب میں پھنسی ہوئی ہے۔ملک ایک آتش فشاں کے مانند دھک رہا ہے حسن طلال نے یحییٰ کے سامنے خود اپنا دفاع کرنا شروع کردیا کہ وہ ایک مسلمان ہے اور اسلام کی حفاظت کررہا ہے لیکن یحییٰ نے ایک شیر کی طرح اس پر حملہ کیا اور اس کے دعوے کو جھٹلا دیا۔حسن طلال کے دفتر میں '''اللہ'' کے الفاظ پر مشتمل ایک فریم آویزاں تھا۔یحییٰ نے چیختے ہوئے کہا کہ جب تم اللہ کو جانتے نہیں ہو پھر تم نے یہ فریم کیوں لٹکا رکھا ہے؟ حکومت نے نہ چاہتے ہوئے بھی یحییٰ کو رہا کردیا۔

امام الحسین رضی اللہ عنہ مسجد کا واقعہ دراصل ایک جذباتی ابال تھا جو کہ ہماری عمروں کے مطابق ایک ردعمل تھا۔یحییٰ ہاشم متعدد ایم بی رہنماؤں سے ملا،اس نے فوج کے ساتھ ٹکر لینے کی ٹھانی اور مجھ سے بھی مشورہ کیا۔میں نے کہا کہ موجودہ صورتحال میں یہ مناسب نہیں۔یحییٰ نے خود کو اپنے گروپ کے ساتھ پہاڑوں میں چھپالیا اور اپنے منصوبے کے مطابق گوریلا جنگ کا آغاز کردیا۔انہوں نے کچھ ہتھیار جمع کئے اور المنیا صوبے کے کنارے واقع پہاڑ پر پوزیشنیں سنبھال لیکن ساتھ والے گاؤں کے ایک میئر نے اس گروپ کو مشکوک حرکتیں دیکھا اور اس نے پولیس کو مطلع کردیا جس نے اس گروپ پر حملہ کیا اور گرفتار کرلیا۔یحییٰ نے یونٹ کمانڈر پر حملے کی کوشش کی،اس نے یحییٰ پر فائرنگ کردی جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔یہ ہے یحییٰ کی کہانی جو اصل میں جہاد کا بانی تھا اور جس نے اپنے نظریات کی سچائی کے لئے ہر چیز قربان کردی۔

کسی بھی کمپنی کا مالک اخبار کو پیسے دے کر یہ اشتہار شائع کرواسکتا ہے کہ فلاں قانون منسوخ کیا جائے۔کوئی اداکار بھی اس طرح کا مطالبہ کرسکتا ہے کہ فلاں قانون چونکہ اس کی اداکاری کی آزادی کے خلاف ہے چنانچہ اسے منسوخ کیا جائے ایک ادیب بھی شریعت کے نام پر نافذ قوانین پر تنقید کرسکتا ہے۔ایک صحافی بھی حکومت کے قوانین پر نہ صرف تنقید کرسکتا ہے بلکہ ان کی منسوخی کا مطالبہ کرسکتا ہے

۔جو شخص قانون کے بارے میں کوئی بات نہیں کرسکتا وہ امام مسجد (مبلغ) ہے کیونکہ پینل کوڈ کا 201 آرٹیکل کہتا ہے کہ ''عبادت گاہ میں کوئی بھی شخص، حتیٰ کہ وہ امام ہی کیوں نہ ہو اور خطبہ ہی کیوں نہ دے رہا ہو، وہ انتظامیہ کے بارے میں اور موجودہ قوانین کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا اور اگر کوئی اس قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے سزائے قید کے ساتھ پانچ سو پاؤنڈ جرمانہ بھی کیا جائے گا۔اگر وہ اس کی مزاحمت کرتا ہے تو جرمانہ اور قید کی سزا دوہری جائے گی۔

جو لوگ مصر میں ٹریڈ یونین بنانا چاہتے ہیں ان کی اجازت نہیں دی جاتی ،حالانکہ یہ انسانی حقوق کے زمرے میں ایک ایسا حق ہے کہ جس طرح آپ ایک بیلے ڈانسر کو اجازت دیتے ہیں لیکن دینی مبلغ اور اسکالرز اس حق سے محروم ہیں۔انور سادات کے قتل کے ساتھ ہی مصر اور عرب دنیا میں جہاد کے مسئلے پر روزانہ بحث وتمحیص ہونے لگی۔حکومت جو کہ امریکہ اور اسرائیل کے حق میں تھی اس کے ساتھ ایسی مخاصمت شروع ہوئی جو آج تک جاری ہے۔اور جہادی سرگرمیاں روز بروز بڑھ رہی ہیں۔احتجاجی مظاہروں میں شرکاء کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے جو کہ واشنگٹن اور تل ابیب میں بیٹھے دشمنوں کے لئے ایک مسلسل خطرہ ہے۔

امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ دشمنی مسلم نوجوانوں کے دل میں بس چکی ہے، یہی وہ دشمنی ہے جس کی وجہ سے القاعدہ اور افغان جہاد میں عرب افغان ڈھڑا دھڑ شامل ہو رہے ہیں اور یہ بہاؤ ٹوٹ نہیں رہا۔انور سادات کا قتل دراصل امریکہ اور اسرائیل کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ تھا۔

انور سادات کے قتل کے بعد حکومت نے وسیع پیمانے پر پکڑ دھکڑ کی اور تقریباً ساٹھ ہزار افراد کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا۔کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا کہ ان افراد سے رابطہ کیا جا سکے۔سیکورٹی کی سختیوں کی وجہ سے یہ لوگ عام شہریوں کی نظروں سے دور چلے گئے تھے،ان سے رابطہ قریب قریب ناممکن تھا۔اس واقعہ کی تحقیقات کیلئے فوجی سربراہ نے اپنی ذمہ داریوں سے صرفِ نظر کیا۔وہ صرف ایک مرتبہ انور سادات کے قتل کے مقام پر گیا، حالانکہ جو قتل ہوا تھا وہ ملٹری کا سربراہ تھا اور فوجی گراؤنڈ میں فوجی

پریڈ کے دوران قتل ہوا تھا لیکن ملٹری کا سربراہ اندازہ لگاتا رہا کہ کس کو پکڑنا ہے؟ کس سے تفتیش کرنی ہے؟ اور کس کے خلاف مقدمہ چلانا ہے۔ انوسٹی گیشن کرنے والے ملٹری کے سربراہ نے انتہائی سرعت کے ساتھ مدعا علیہان کے مقدمے کو فوجی عدالت کے سپرد کردیا۔ یہ فوجی عدالت میجر جنرل محمد سمیر فاضل کی سربراہی میں قائم کی گئی تھی۔

مصری فوج کا ایک اور مزاحیہ تماشا یہ ہے کہ اس نے اپنے اصل دشمن اسرائیل کو فراموش کردیا اور اپنے ہی لوگوں پر، انہیں اپنا دشمن سمجھتے ہوئے ہتھیار اٹھالئے۔ ملٹری سیکولرازم کا ہمیشہ سے یہ دعویٰ ہے کہ یہ اسلام کا احترام کرتی ہے لیکن ان کا احترام صرف یہاں تک ہے کہ یہ دینی اسکالرز کو مشاہرے (تنخواہ) پر رکھ لیتی ہے جو کہ ان کے ہر عمل کو جائز ثابت کرتے رہتے ہیں۔

باب نمبر 4

مصر کی سیکورٹی ایجنسیوں نے ایک اور جہادی گروپ کا سراغ لگایا۔ یہ ''عصام القمری گروپ'' تھا۔عصام القمری ایک بے مثال انسان تھا جسے اس کے کام کا اور جہادی سرگرمیوں کا کچھ زیادہ صلہ نہ دیا گیا کیونکہ ہمارے ملک میں ذرائع ابلاغ اور صحافت ان لوگوں کے قبضے میں ہے جو کہ اسلام اور اسلامی تحریکوں کو زیادہ پسند نہیں کرتے ۔اسی طرح چھپنے والی تمام چیزیں ان کے کنٹرول میں ہیں ۔ یہ دراصل مغرب اور یہودیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں جہاں میڈیا اور پراپیگنڈہ کے تمام ذرائع ان کے قبضے میں ہوتے ہیں ۔عصام القمری ایک سنجیدہ انسان تھا۔اوائل شباب میں ہی اس نے اسلام کے مسئلے کو سنجیدگی سے لیا تھا۔اس نے حکمران طبقے میں تبدیلی کے لئے ملٹری کالج میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ یہ اس کا احساس جرم ہی تھا کہ اس نے جب سکینڈری اسکول کی تعلیم ختم کی تو اس نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ ایک دن اس نے ملٹری کالج میں داخلے کے بعد اپنے والد سے کہا کہ '' کیا آپ کے علم میں ہے کہ میں نے ملٹری کالج میں داخلہ کیوں لیا ؟''اس کے والد نے کہا ''نہیں !میں نہیں جانتا'' ۔عصام القمری نے کہا '' اس لئے کہ میں مصر میں ایک فوجی بغاوت برپا کرسکوں'' ۔اس کے والد کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا لیکن وہ اس ضمن میں کچھ نہ کرسکتا تھا کیونکہ القمری قبل ازیں ملٹری کالج میں داخل ہو چکا تھا۔

عصام القمری نے گریجویشن میں اتنے شاندار نمبر حاصل کئے تھے کہ وہ کسی میڈیکل یا انجینئر نگ کالج میں آسانی سے داخل ہوسکتا تھا جیسا کہ آج کل بھی نوجوان یہی کرتے ہیں ۔ان کی پہلی ترجیح میڈیکل اور دوسری انجینئر نگ ہوتی ہے لیکن اسلام نے اس کا رویہ تبدیل کردیا تھا۔

ملٹری کالج میں عصام کی ملاقات محمد مصطفیٰ علیوۃ سے ہوئی جو کہ الجہاد گروپ کا ایک سرگرم کارکن تھا ۔القمری نے مصطفیٰ کے جہاد گروپ میں شمولیت اختیار کرلی ۔اس القمری باقاعدہ ایک جہادی گروپ میں شامل ہو گیا۔اس وقت سے لے کر آج تک القمری نے زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوگا جو اس نے فارغ گزارا ہو۔وہ ہر وقت جہادی تحریک کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا اور سوچتا رہتا۔القمری نے اپنے دین کی سربلندی کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

وہ درست معنوں میں ایک انتہائی اعلیٰ کردار کا حامل شخص تھا۔اس نے اپنی زندگی میں سختیوں اور تکالیف کا اپنے کردار کی وجہ سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ملٹری کالج کی تعلیم سے فارغ ہو کر القمری نے ملٹری کور میں شمولیت اختیار کرلی ۔ملٹری کور میں شامل ہونا اس کا ایک دیرینہ خواب تھا۔وہ ہمیں بتاتا کہ اس کور کو ایک مسلم کور ہونا چاہیے جو کہ مسلمانوں کو بتائے کہ جنگیں کیسے جیتی جاتی ہیں اور دشمن سے کیسے دفاع کیا جاتا ہے۔

القمری نے آرمڈ کور میں امتیازی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔وہ شب و روز اسلام کا مطالعہ کرتا اور جنگ کی تربیت حاصل کرتا۔اس کے لئے یہ اللہ کی طرف سے عطاء کردہ ہمت تھی۔اس کو اس بات پر پورا یقین تھا کہ اسلام کی وجہ سے ہی وہ ہر قسم کی تربیت میں نمایاں پوزیشن حاصل کرتا ہے اور ہمیشہ اپنی کلاس میں اول آتا ہے۔اسی امتیاز کی وجہ سے جب وہ میجر تعینات ہوا تو اسے ایک بٹالین کی کمانڈ کی ٹریننگ کے لئے امریکہ روانہ کیا گیا۔اس سے وعدہ کیا گیا کہ واپس پر اسے ری پبلکن گارڈ کا کمانڈر تعینات کیا جائے گا۔اس نے ایک خاص وجہ سے اس ٹریننگ میں شمولیت اختیار نہ کی وجہ یہ تھی کہ اس کے دوستوں میں سے ایک دوست ایسا تھا جو چیزوں کو مبالغہ آرائی سے سوچتا اور بیان کرتا۔اس نے عصام کو بتایا کہ 1981ء مصر میں تبدیلی کا سال ہوگا۔اس نے عصام کو یہ بھی بتایا کہ وہ مصر میں نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد کو جہادی تربیت کے لئے بھرتی کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

فوج سے ہتھیاروں کی اسمگلنگ

اسی مبالغہ آمیز بیان کی بنیاد پر عصام نے فیصلہ کیا کہ وہ امریکہ جا کر تربیت حاصل نہیں کرے گا ،حالانکہ اسے اس کورس کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔آرمی آرمڈ کور کے افسروں میں سے صرف چند ایک ہی ایسے تھے جنہیں یہ موقع ملا تھا کہ وہ امریکہ جا کر تربیت حاصل کریں اور عصام ان افسروں میں سے ایک تھا۔

1981ء کے سال کو تبدیلی کا سال خیال کر کے عصام نے فوج سے ہتھیاروں کی چوری کا ایک منصوبہ بنایا تا کہ یہ ہتھیار جہادی گروپوں میں تقسیم کئے جا سکیں ۔یہ ہتھیار میرے کلینک میں چھپائے جانے تھے ۔چنانچہ منصوبے کا آغاز ہوا اور ہتھیاروں کی پہلی کھیپ میرے کلینک پہنچ گئی ۔جب آخری کھیپ ایک بڑی بوری میں ڈال کر ،جس کے اوپر کتابیں اور ملٹری کے رسالے رکھے گئے تھے لے جائے جا رہی تھی تو مذکورہ نوجوان پر ملٹری والوں کو شک پڑا ،جس پر وہ فرار ہو گیا۔جب بوری کھول کر دیکھی گئی تو اس میں اسلحہ تھا۔اس بوری میں اس منصوبہ کا نقشہ اور ٹینکوں کی پوزیشنیں سب درج تھیں ۔عصام نے محسوس کیا کہ اس کی گرفتاری بس چند لمحوں کا ہی کھیل ہے چنانچہ وہ فرار ہو کر کہیں چھپ گیا تاہم اس منصوبے میں شامل کچھ افسر گرفتار کر لئے گئے ۔اس دوران عصام نے بڑے صبر کا مظاہرہ کیا ۔اس نے کسی سے شکوہ کیا نہ شکایت کی ،نہ اس نے کسی کے سامنے اپنی گرفتاری کا ماتم کیا اور نہ ہی اپنی گرفتاری کے لئے کسی کو مرودِ الزام ٹھہرایا۔عصام نے کسی بھی صورت میں اپنا کام بند نہ کیا۔

سادات کے جنازے میں امریکی صدر کے قتل کا منصوبہ

عصام نے سادات کے قتل کے بعد یہ منصوبہ بنایا کہ سادات کے جنازے میں شریک ہونے والے امریکی صدر اور اسرائیلی شخصیت کو اڑا دیا جائے۔منصوبے میں یہ بھی شامل تھا کہ چند ٹینک چھین لئے جائیں اور صدر کے جنازے کے جلوس پر ٹینکوں سے گولہ باری کی جائے تاہم اس منصوبے پر عمل درآمد

کرنے کے لئے جس قدر وسائل کی ضرورت تھی وہ ہمارے پاس نہ تھے اور منصوبے پر عمل درآمد کے لئے جو وقت درکار تھا اس میں خاصی تاخیر ہو چکی تھی۔

اس منصوبے کے دوران عبود الزمر سے ملاقات ہوئی، اسے ہم نے کہا کہ وہ مصر سے فرار ہو جائے تاکہ اطمینان سے اگلے منصوبے پر عمل کیا جا سکے لیکن اس نے ہماری ہدایت ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس نے اپنے مسلم بھائیوں سے عہد کر رکھا ہے کہ وہ اپنی کوشش جاری رکھے گا۔ بعد ازاں اسے گرفتار کر لیا گیا جیل میں جب میری اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ تم ٹھیک کہتے تھے، مجھے اس وقت فرار ہو جانا چاہیے تھا لیکن میں نے اپنی قوم سے جو عہد کیا تھا اس کو نبھانا ضروری تھا۔ اس لئے میں نے فرار کے بارے میں سوچنے سے گریز کیا۔

عصام القمری کا جہاد کے بارے میں اپنا ایک نظریہ ہے جس پر عمل کرنے کے لئے اس نے مختلف راہیں تلاش کیں لیکن قسمت نے اسے اجازت نہ دی۔ مصر میں سیکورٹی کا نظام اس قدر سخت ہے کہ اسے توڑنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کے مقابلے میں ایک فوج اتاری جائے جس کے پاس قابل ذکر حد تک ہتھیار ہوں، جو دارالحکومت پر قبضہ کر لے اور کم از کم دو ہفتے تک فوج کے ساتھ جنگ کر سکے ۔ اسلامی جہادی تحریکوں کے پاس جہاد کے لئے ہزاروں نوجوان ہیں لیکن یہ سب غیر مسلح، غیر تربیت یافتہ ہیں اور انہیں لڑائی کا کوئی تجربہ نہیں۔ فوج اپنی طاقت کی وجہ سے اسلامی تحریکوں کو کچلنے کی پوزیشن میں ہے۔ اسلامی تحریکوں کے لئے یہ ناممکن ہے کہ فوج کے مقابلے میں ایک طاقتور اور مسلح فوج تیار کر سکیں۔ کیونکہ سیکورٹی کے انتظامات اس قدر زیادہ ہیں کہ فوج کے علم میں لائے بغیر خفیہ طور پر اتنی منظّم فوج تیار نہیں کی جا سکتی۔

عصام القمری کا نظریہ تھا کہ سینکڑوں مسلم نوجوانوں کو ہتھیار دیئے جائیں، انہیں ٹینک چلانے کی تربیت دی جائے۔ عصام القمری کو نوجوان مسلمانوں پر بڑا یقین تھا کہ اگر انہیں تربیت دی جائے تو یہ ایک بڑی جنگ کے تیار ہو سکتے ہیں۔

الجمالیہ کی جنگ

عبود کو جنگ میں ڈال دیا گیا۔انوسٹی گیشن کرنے والے افسر نے اس کے ساتھیوں پر تشدد کر کے یہ راز اگلوالیا کہ وہ عصام القمری اور مجھ سے ملا تھا چنانچہ مجھے بھی گرفتار کرلیا گیا۔قاہرہ کے نواح میں الجمالیہ پر حکومتی ایجنسیوں نے عصام القمری کے ٹھکانے پر حملہ کر دیا۔ یہاں ایک دلچسپ جنگ لڑی گئی

۔

یہ جنگ منشیات الناصر کے علاقے الجمالیہ کے نواح میں لڑی گئی ۔ یہ دراصل ایک غریب بستی ہے جہاں مکان ایک دوسرے کے ساتھ بنے ہوئے ہیں اور ان کے اندر چھوٹی چھوٹی تنگ گلیاں ہیں ۔عصام نے ایک ورکشاپ میں پناہ لے رکھی تھی ۔ جسے محمد عبدالرحمٰن الشرقاوی نے تعمیر کیا تھااوراس کام میں ابراہیم اورنبیل نے اس کی مدد کی تھی ۔ یہ اس لئے تعمیر کی گئی تھی کہ ہماراایک خفیہ اڈہ ہوگا۔الشرقاوی کو بعدازاں سادات کے قتل کے کیس میں سات سال قید کی سزا ہوگئی تھی جبکہ طلائع الفتح کیس میں اسے مزید پندرہ سال قید کی سزا سنادی گئی۔آج بھی وہ العقرب جیل مصر میں سزا بھگت رہا ہے۔

یہ ٹھکانہ ایک عظیم الشان گھر پر مشتمل تھا جس میں ایک چھت بغیر ہال کمرہ تھا جس کے دائیں بائیں دو دو کمرے تھے اور ہال کے آغاز میں لوہے کا ایک بڑا گیٹ تھا۔ یہ ورکشاپ ایک تنگ گلی میں کے اختتام پر واقع تھی جس تک پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا اوراس ورکشاپ کوایک منزلہ تنگ مکانوں نے گھیرا ہوا تھا۔ جب وزارت داخلہ کو پتہ چلا کہ عصام القمری اس ورکشاپ میں روپوش ہے تواس سارے علاقے کو حفاظتی دستوں اور پولیس نے گھیر لیا۔اس حملے میں سنٹرل سیکورٹی فورس کی'' کاؤنٹر ٹیرر بٹالین'' استعمال کی گئی جو کہ حملے کے لئے جدید ترین اسلحے سے مسلح ایک بٹالین ہے۔ بٹالین نے کئی گھنٹے تک ورکشاپ کا محاصرہ کئے رکھا۔

محاصرہ کرنے والی بٹالین نے ورکشاپ کے اردگرد تمام گھروں کی چھتوں پر مورچے بنالئے اوران

پر اپنی مشین گنیں نصب کر لیں۔صبح صادق سے قبل پولیس نے لاؤڈ اسپیکروں سے اعلان کیا کہ ورکشاپ کا محاصرہ ہو چکا ہے اور تمام لوگ ہتھیار پھینک دیں، جب ادھر سے کوئی جواب نہ گیا تو محاصرہ کرنے والی فورس نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ورکشاپ کے محصورین یقیناً اس حملے کے لئے تیار تھے ۔ان کے پاس دو مشین گنیں، دو ریوالور اور کچھ ہینڈ گرنیڈ تھے۔حملہ آوروں نے جب اندر داخل ہونے کی کوشش کی تو عصام نے ان پر ایک ہینڈ گرنیڈ پھینکا۔اس دوران عصام اور اس کے دو ساتھی چھت پر جا کر حملہ آوروں پر مشین گنوں سے فائرنگ کرنے لگے۔جلد ہی مشین گنوں نے کام کرنا بند کر دیا لیکن عصام اور اس کے ساتھیوں نے دوڑ گائے رکھی انہوں نے حملہ آور فورس پر دس ہینڈ گرنیڈ پھینکے جن میں سے نو گرنیڈ پھٹے۔حملہ آوروں کی مدافعت کمزور پڑ گئی۔عصام اور اس کے ساتھیوں نے محسوس کیا کہ حملہ آور کمزور پڑ گئے ہیں جب وہ گیٹ سے باہر نکلے تو ایک سپاہی اپنی گن سے دروازے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔نبیل نعیم نے گرنیڈ مار کر اسے ختم کر دیا اور لاشیں عبور کرتے ہوئے المقاتم کے پہاڑوں تک پہنچ گئے۔کچھ فاصلے سے انہوں نے دیکھا کہ انہوں نے حملہ آور فورس کا بہت نقصان کیا ہے اور حملہ آور فورس نعشیں اکھٹا کر رہی ہے اور زخمیوں کو وہاں سے منتقل کر رہی ہے۔اس موقع پر یہ ہوا کہ ابراہیم کے ہاتھ والے گرنیڈ کی پن تھوڑی سے سرک گئی تھی، اس نے اسے درست کیا اور باقی دونوں سے کہا کہ وہ دوسری طرف منہ کر لیں کیونکہ وہ پیشاب کرنا چاہتا ہے وہ گرنیڈ زمین پر رکھ کر کچھ ہی دور گیا تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا لیکن اللہ کا کرنا ایسا تھا کہ وہ سب اس دھماکے سے محفوظ رہے لیکن اس سے یہ ہوا کہ حملہ آور چوکنا ہو گئے اور آگے چل کر تقریباً سو افراد کے ایک گروپ نے انہیں پکڑ لیا۔عصام کو الجہاد کیس میں گرفتار کر لیا گیا۔

اللہ کا شکر ہے کہ مجھے تراہ جیل میں اس کی معیت میں وقت گزارنے کا موقع ملا۔اس نے یہ تمام وقت منصوبہ بندی کرنے، مختلف منصوبوں میں رنگ بھرنے، کچھ منظر بنانے اور موجودہ مسائل کا حل سوچنے میں گزارا۔ہمیں بھی اس کے ان مشاغل میں حصہ لینا پڑتا تھا۔مجھے اس مرتبہ تین سال کی قید کی

سزا ہوئی تھی جبکہ اسے دس سال قید کی سزا ہوئی تھی۔حسب معمول اس نے سزا والی خبر بڑے سکون اور طمانیت سے سنی۔اس موقع پر اس نے مجھے کہا کہ ''مجھے افسوس ہے کہ تمہیں بہت سا بوجھ اٹھانا پڑ گیا ہے'' اسلام مسلسل جیل میں رہا اس دوران وہ جیل سے بھاگنے کے منصوبے بھی تشکیل دیتا رہا ۔بالآخر عصام اپنے دو ساتھیوں خمیس مسلم اور محمد الاسوانی کے ہمراہ سترہ جولائی 1988ء کو جیل سے فرار ہو گیا۔یہ کوئی معمولی فرار نہ تھا،اس کے لئے مہینوں اور سالوں تک منصوبہ بندی کی گئی تھی بالآخر کامیاب ہوئی۔یہ فرار کوئی آسان کام نہ تھا۔اس میں ایک جھڑپ بھی شامل تھی۔جونہی انہوں نے جیل کی دیوار پھاندی،ان کا سامنا حفاظتی گارڈ سے ہوا جو کہ دیوار کے ساتھ ساتھ حفاظت کے نقطہ نظر سے تعینات کئے گئے تھے۔اس فرار سے وزارت داخلہ میں سنسنی پھیل گئی کیونکہ انہیں اس قدر جرات مندانہ اور دلیرانہ اقدام کی توقع نہ تھی۔فرار ہونے والوں نے سب سے پہلے اپنی کوٹھری کی سلاخیں کاٹیں ڈیوٹی پر موجود گارڈز کو یرغمال بنایا،اپنے پیچھے بم پھینک کر چار میٹر اونچی باڑ پھلانگی،راستے میں ایک اور محافظ کے ساتھ ان کی مڈ بھیڑ ہوئی،فرار ہونے والوں نے اس سے مقابلہ کرکے اس سے اسلحہ چھین لیا اور وہ اتنی سخت سیکورٹی کے باوجود اسوار جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

عصام القمری اور اس کے ساتھیوں نے جیل سے فرار ہونے کے بعد دریائے نیل کو عبور کیا اور میدانی علاقے سے گزرتے ہوئے وسطی ڈیلٹا کے علاقے تک پہنچ گئے،چونکہ انہوں نے ایک طویل ترین راستہ پیدل طے کیا تھا لہٰذا خمیس مسلم کے پاؤں زخمی ہو گئے اور ان میں زبردست سوجن پیدا ہو گئی ۔سوجن سے اسے سخت بخار نے آگھیرا اور بخار سے اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔خمیس کے علاج اور اسے آرام پہنچانے کیلئے فرار ہونے والوں نے الجہاد گروپ کے ایک رکن خالد بخیت سے رابطہ کیا،جس نے مفروروں کو الشرابیہ میں واقع اپنے گھر میں ٹھیرا لیا۔بری قسمت ان کا پیچھا کرتے کرتے یہاں بھی آن پہنچی تھی۔ریاست کی سیکورٹی انٹیلی جنس فورس نے 25 جولائی 1988ء کی صبح خالد بخیت کے گھر پر چھاپہ مارا،یہاں ایک اور جنگ بڑی بہادرانہ طریقے سے لڑی گئی۔انٹیلی جنس کے چھاپے کی روائیداد

یوں ہے کہ سیکورٹی کے سربراہ نے جونہی خالد بخیت کے گھر پر دستک دی، ان پر بم برسائے گئے۔عصام القمری نے اس پر چھری سے حملہ کر دیا۔افسر اس حملہ میں بچ گیا اور اپنا پستول وہیں چھوڑ کر بھاگ لیا۔چھاپہ مارنے والے گروپ کے دیگر ارکان بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔عصام نے افسر کا پستول اٹھالیا اور سب نے اس افسر کے پیچھے گلی میں دوڑ لگا دی۔گلی کے نکڑ پر اپنے بھائی کو فرار کیلئے محفوظ راستہ فراہم کرنے کے لئے عصام القمری کو پولیس کے ساتھ ایک اور جھڑپ میں الجھنا پڑا۔اس جھڑپ میں ایک گولی اس کے پیٹ میں لگی اور وہ گر پڑا۔اس کے ساتھیوں نے مڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا اور اپنا پستول انہیں دے دیا۔اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ موقع واردات سے فرار ہو جائیں جبکہ اس نے موقع پر ہی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

یہ داستان مجھے نبیل نعیم نے لیمان طرہ جیل میں سنائی۔نبیل نے بتایا کہ عصام القمری کے جیل سے فرار ہونے پر اس نے جیل سپرنٹنڈنٹ کو مذاقاً کہا کہ عصام القمری اور اس کے ساتھیوں کے جیل سے فرار ہونے کی وجہ سے وزارتِ داخلہ مصر کے دور دراز کے علاقے میں ٹرانسفر کر دے گی لیکن جیل سپرنٹنڈنٹ نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ وزارت داخلہ ایسا نہیں کرے گی بلکہ القمری اور اس کے ساتھیوں کو اتنے سال جیل میں رکھنے کے صلے میں وزارت داخلہ کو اسے گولڈ میڈیل دینا چاہیے، چنانچہ وزارت داخلہ نے اسے اس کی ملازمت سے نہ نکالا۔

باب نمبر 5

حکومت نے 12 اگست 1988ء کو جمعہ کے روز مصر میں ایک اور آپریشن کا آغاز کیا۔ نماز مغرب کے بعد پولیس کے مسلح دستوں نے آدم مسجد پر ہلہ بول دیا جہاں اسلامی گروپ کا ہفتہ وار اجتماع جاری تھا۔ پولیس کا آدم مسجد پر حملہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی کیونکہ پولیس کے دستے قبل ازیں بھی آدم مسجد پر اس طرح کے چھاپے مار چکے تھے۔ اس مسجد پر پولیس کے چھاپے شاید اس کی عادت بن چکی تھی۔ قبل ازیں بھی حملے میں متعدد کتابیں تباہ ہو چکی تھیں۔

اللہ کی مرضی تھی کہ قبل ازیں اس طرح کا حملہ کرنے والوں کو اللہ کی طرف سے کبھی سزا نہ دی گئی تھی۔ یہ جرائم وزارت داخلہ اور امریکی انتظامیہ کی طرف سے کئے جا رہے تھے۔ اسلامی طاقتوں کو دبایا جا رہا تھا۔ اس سے خطے میں اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم کو تقویت مل رہی تھی۔ حملے کا آغاز مسجد کی کھڑکیاں توڑنے سے ہوا۔ پھر اندر آنسو گیس پھینکی گئی اور گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی تا کہ لوگ بھاگ جائیں، جب مسجد میں عبادت کے لئے آنے والوں نے مسجد سے نکلنا شروع کیا، پولیس اندگھس آئی اور اندھا دھند فائرنگ کرنے لگی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وزارت داخلہ کے افسران پاگل ہو گئے ہوں۔ جونہی لوگوں پر فائر کھولا گیا، بچے، عورتیں، بڑھے، بوڑھے اور نوجوان گرنے لگے۔ اس علاقے کی گلیاں اور گھر لاشوں اور زخمیوں سے بھر گئے۔ ہر طرف خون ہی خون تھا۔ جو بچ گئے پولیس انہیں ٹرکوں میں ڈال کر گرفتار کر کے لے گئی۔ جب لوگوں کو پکڑ کر ٹرکوں میں ٹھونسا جا رہا تھا تو کچھ لوگوں نے مزاحمت کی جس سے دو افسر اور چار سپاہی زخمی ہو گئے۔ بعد ازاں ایک افسر محمد زکریا جس کے سر میں شدید چوٹیں آئیں تھیں ہسپتال میں انتقال کر گیا۔ وزارت داخلہ نے اس علاقے میں کرفیو نافذ کر دیا اور اس علاقے میں پولیس فورس کے خصوصی دستے تعینات کر دیئے۔

عین شمس کے علاقے میں دوسری مہم جوئی 7 دسمبر 1988ء کو کی گئی جب وزارت داخلہ کو پتہ چلا کہ عصام گروپ کے تحت ایک احتجاجی مظاہرہ کیا جائے گا۔مظاہرین القباش صدارتی محل تک پرامن مارچ کریں گے اور یہ مظاہرہ مقبوضہ فلسطین میں انتفادہ کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے کیا جائے گا ۔پولیس نے اس بات سے قطع نظر کہ مظاہرے کا مقصد کیا ہے،مظاہرہ ترتیب دینے والے گروپ کو سختی سے منع کیا کہ وہ یہ مظاہرہ نہ کریں۔

پولیس نے نماز مغرب کے بعد آدم مسجد پر چھاپہ مارا اور مسجد میں موجود تمام نمازیوں کو حراست میں لے لیا۔اس کے ساتھ ساتھ پولیس نے اسلامی گروپ کے ارکان کی گرفتاری کے لئے ایک بڑی مہم شروع کی اور عین شمس،المطریہ،الف مسکن اور مساکن عین شمس میں چھاپے مار کر وسیع پیمانے پر ارکان کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا۔اس مہم کے دوران 180 کے قریب افراد گرفتار کئے گئے۔

حکومتی پروردہ اخبارات میں وزارت داخلہ کے ترجمان کا ایک بیان شائع ہوا،جس میں وزارت نے اعتراف کیا کہ عین شمس میں چھاپوں کے دوران اسلامک گروپ کے درجنوں ارکان کو گرفتار کیا گیا ہے۔بیان میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ چھاپوں کے دوران اسلحہ اور تحریری مواد (بروشر وغیرہ) بھی پکڑا گیا ،بیان میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ آدم مسجد کو بند کر دیا گیا ہے اور بعض مفرور ارکان کی گرفتاری کے لئے مزید آپریشن بھی کئے جائیں گے تاہم اس بیان میں مفرور لوگوں کے والدین بیوی بچوں کا ذکر نہیں تھا جنہیں پولیس نے یرغمال بنالیا تھا اور ان پر تشدد کر کے انہیں مجبور کیا جا رہا تھا کہ وہ اپنے مفرور رشتہ داروں کی پناہ گاہوں کے بارے میں پولیس کو بتائیں۔

ڈپٹی چیف انٹیلی جنس لیفٹیننٹ کرنل کا قتل

حالات تیزی سے تبدیل ہونے لگے۔عین شمس کے مارکیٹ کے علاقے میں ایک پھیری لگانے والے نے انٹیلی جنس یونٹ کے ڈپٹی چیف لیفٹیننٹ کرنل عصام شمس کو خنجر گھوپ دیا جو بعدازاں ہسپتال

میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گیا۔ چھیری لگانے والا فرار ہوگیا۔تحقیقات پر پتہ چلا کہ مفرور کا نام شریف محمد احمد ہے اور اسے پولیس نے متعدد مرتبہ گرفتار کرکے زبردست تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ اسلامی گروپ کے ارکان کی گرفتاری کے لئے جاری مہم میں بھی اسے پکڑ لیا گیا تھا اور عین شمس کے ایک تھانے میں اس پر تشدد کیا گیا تھا۔

قتل وغارت گری کے اس ڈرامے کا ڈراپ سین اس وقت ہوا جب شریف محمد احمد، خالد اسماعیل اور اشرف درویش کو بہیمانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ وزارت داخلہ نے اس سانحہ پر جو بیان جاری کیا اس میں کہا گیا کہ ان تینوں مقتولین نے شبرا سٹریٹ میں اس وقت پولیس پارٹی پر فائرنگ کر دی جب پولیس پارٹی انہیں گرفتار کرنے کے لئے گئی۔ یہ سب پولیس کی کہانی تھی۔ پولیس نے انہیں گرفتار کرکے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اگر ان لوگوں نے پولیس پر حملہ کیا ہوتا تو پولیس پارٹی کا کوئی کارکن بھی زخمی ہوتا یا مرتا ایسا نہیں ہوا۔ پولیس کے کسی ایک فرد کو خراش تک نہ آئی تھی۔ پولیس نے یہ سارا آپریشن صرف تین گھنٹے میں مکمل کر لیا اور اس قلیل مدت میں تاریخ کے تین جوان مرد اور بہادر انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وزارت داخلہ کے ترجمان نے اپنے من گھڑت اور خود ساختہ بیان میں یہ دعویٰ بھی کیا کہ پولیس نے کاروائی کے بعد ہتھیار بھی برآمد کر لئے۔ اس پولیس چھاپے کے دوران پولیس نے اسلامی گروپ کی ایک اور ممتاز شخصیت جابر محمد احمد کو بھی قتل کر دیا اور اس کے بارے میں پولیس کے ترجمان نے دعویٰ کیا کہ اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو اس نے پولیس کے ایک افسر پر حملہ کر دیا اور اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ پولیس نے اس شدید مزاحمت پر فائرنگ کر دی جس سے وہ زخمی ہوگیا اور بعد ازاں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہوگیا۔

ان واقعات کے ردعمل کے طور پر پورے علاقے میں دن اور رات کا کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اور مشتبہ افراد کی گرفتاری کے لئے ایک بار پھر وسیع پیمانے پر چھاپوں اور گرفتاریوں کا آغاز کر دیا گیا۔ کرفیو کی

خلاف ورزی کرنے والوں کو دیکھتے ہی گولی مارنے کا حکم دے دیا گیا۔اس سے پورے علاقے میں شدید خوف وہراس پھیل گیا۔مخصوص علاقوں میں کاروبارزندگی بند ہوگیا اوراسلامی گروپ کے لوگوں کو پکڑنے کے لئے دھرتی کا چپہ چپہ چھاننے کے عمل کا آغاز ہوا۔

ان تمام تر واقعات کے پس منظر میں عین شمس تھانے کے اس پولیس افسر کا ہاتھ تھا جس نے اسلامی گروپ کے ایک بے ضرر اور معصوم کارکن کو پکڑ کر وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔جیسا کہ پہلے بتا چکا ہوں ۔اس کارکن نے رہائی پاتے ہی پہلے اس پولیس افسر کے شب وروز کا مطالعہ کیا، بعدازاں اس کی آمد ورفت کے راستے میں ایک ریڑھی لگالی اور ایک دن موقع پاتے ہی اس نے تیز دھار چھری سے اس پولیس افسر پرحملہ کر کے اسے خون میں نہلا دیا۔اس واقعہ کے بعد پولیس نے ملک بھر میں اسلامی گروپ کو نشانے پر رکھ لیا اور ان کے خلاف وسیع پیمانے پر پکڑ دھکڑ ،جیل اور سزاؤں پر عملدرآمد کا آغاز کر دیا تھا۔

اس وقت کے وزیر داخلہ زکی بدر نے اسلامی گروپ کے 30 کے قریب مفرور ملزموں کی ماؤں ،بہنوں اور بیٹیوں کو حراست میں لینے کا حکم جاری کیا اوراپنے حکم نامہ میں کہا کہ ان عورتوں کو حراست میں لے کر اس وقت تک رہا نہ کیا جائے جب تک یہ اپنے مفرور بھائیوں ،بیٹوں اور والدوں کا پتہ نہ بتا دیں ۔پولیس نے ان بے گناہ عورتوں کو گرفتار کیا اور عین شمس تھانے میں رکھ کر ان پر تشدد کیا ،انہیں مارا پیٹا گیا اور انہیں بھوکا پیاسا رکھنے کے بعد ان بے چاری عورتوں کو لازوگ لی کے علاقے میں اسٹیٹ سیکورٹی انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ منتقل کر دیا جہاں ان پر ظلم وسربیت کے پہاڑ توڑے گئے ،ان کے کپڑے اتار کر انہیں عریاں کرنے کے بعد گھسیٹا گیا ،ٹھڈے مارے گئے اور ان کی توہین کی گئی۔

انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ نے گویا اس طرح عین شمس تھانے کا واقعہ کا بدلہ معصوم عورتوں سے لیا۔یہ دراصل ریاست کی جانب سے اعلان تھا کہ پولیس اسلامی گروپ کے خلاف کاروائی کرتے ہوئے اسے کچلنے کے لئے کسی بھی حد تک جاسکتی ہے۔پولیس نے عورتوں کی تذلیل کر کے علاقے کے لوگوں کو

بھی پیغام دیا تھا، جو اسلامی گروپ کی کاروائیوں کو حق بجانب سمجھتے تھے۔ یہ پولیس کی جانب سے پیغام تھا کہ اسلامی گروپ کو ختم کر دیا جائے گا اور اس دوران جو بھی طاقت یا فرد ریاست کے سامنے آئے گا یا اسلامی گروپ کے ارکان کو حمایت، پناہ یا اخلاقی حمایت مہیا کرے گا اسے بھی راستے سے ہٹا دیا جائے گا۔ ذکی بدر نے دراصل وزارت داخلہ کی پالیسی کا اعلان کر دیا تھا کہ اسلامی گروپ کا پتا صاف کر دیا جائے گا اور اس دوران جو بھی طاقت یا فرد ریاست کے سامنے آئے گا یا اسلامی گروپ کے ارکان کو حمایت، پناہ یا اخلاقی حمایت مہیا کرے گا اسے بھی راستے سے ہٹا دیا جائے گا۔ ذکی بدر نے دراصل وزارت داخلہ کی پالیسی کا اعلان کر دیا تھا کہ اسلامی گروپ کا پتا صاف کر دیا جائے گا اور اس کے بعد ہمدردوں کو بھی نقصان اٹھانا پڑے گا۔

وفاقی وزیر داخلہ کے قافلے پر حملہ

ہم نے عین شمس کے واقعات کا سخت جواب دینے کا فیصلہ کیا۔ طے یہ پایا کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔ اس ضمن میں وزیر داخلہ کو بم سے اڑانے کا منصوبہ بنا اور یہ فیصلہ یا گیا کہ وزیر داخلہ کے پورے قافلہ کو ایک کار کے ذریعے جس میں بارود بھرا ہوگا اڑا دیا جائے گا اور اس طرح وفاقی وزیر داخلہ ذکی بدر اپنے منصوبوں سمیت خاک میں مل جائیں گے لیکن یہ منصوبہ اس وقت خاک میں مل گیا جب کار میں پڑا بارود کسی تیکنیکی خامی کی وجہ سے پھٹنے میں ناکام رہا اور ڈرائیور کو گرفتار کر لیا گیا ۔اس طرح یہ منصوبہ ناکام ہو گیا اور وفاقی وزیر داخلہ ذکی بدر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

ڈاکٹر علاء محی الدین کا بھرے بازار میں قتل

وزارت داخلہ سے اب اسلامی گروپ کی کھلی جنگ ہو رہی تھی۔ ذکی بدر کے خلاف کی جانے والی سازش میں اس کے بچ نکلنے کے بعد وزارت داخلہ نے اسلامی گروپ کو اس کاروائی کا جواب یوں دیا کہ 2 ستمبر 1990ء کو بھرے بازار میں ڈاکٹر علاء محی الدین کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر علاء محی الدین

پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے اور اسے جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے ۔ڈاکٹر محی الدین اسلامی گروپوں کے رہنماؤں میں سے ایک تھے اور ہمیشہ اس بات کی وکالت کرتے تھے کہ اسلامی گروپ کو حکومت کے ساتھ گفت وشنید کا دروازہ بند نہیں کرنا چاہیے تاکہ مصالحت اور مفاہمت کا امکان باقی رہے ۔انہوں نے متعدد مواقع پر حکومت اور اسلامی گروپ کے مابین گفت وشنید کی بات کر کے وسیع عوامی پذیرائی حاصل کی تھی ۔انہوں نے آزادانہ گفتگو کا نعرہ بلند کیا لیکن یہ نعرہ شاید ہمارے حکمرانوں کو پسند نہ تھا۔

ڈاکٹر محی الدین کا قتل اسلامی گروپوں کے لئے ایک جواب تھا کہ حکومت کسی بات چیت کی کسی بھی کوشش کا جواب گولی سے دے گی اور یہ قتل واضح اشارہ تھا کہ گفتگو کرنے کی نہ تو کوشش کی جائے اور نہ ہی ضرورت محسوس کی جائے ،اگر اس طرح کی کوشش کی گئی تو اس کا جواب ہلاکتوں کی صورت میں دیا جائے گا اور حکومت اسلامی جہاد گروپ کے وجود کو اب کسی صورت میں برداشت نہیں کرے گی ۔اگر یہ دیکھا جائے تو حکومت بھی اپنے طور پر درست انتقامی کاروائی کر رہی تھی کیونکہ اسلامی گروپ نے مختلف محاذوں پر حکومت کو ناکوں چنے چبوائے تھے اور اسے زبردست شکست سے دوچار کیا تھا اور اسلامی گروپ حکومت کے خلاف زبردست محاذ آرائی میں مصروف تھا۔

اسلامی گروپ نوجوانوں کو گروپ میں شامل کرنے اور انہیں تربیت دے کر حکومت کے خلاف صف آراء کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا اور آہستہ آہستہ مسلمانوں میں یہ گروپ شہرت اختیار کرتا جا رہا تھا۔گروپ اسرائیل کے تعلقات کو خوشگوار بنانے کے خلاف تھا۔حکومت گروپ کو امن کے لئے بڑا خطرہ سمجھتی تھی ۔گروپ نے ڈاکٹر محی الدین کے قتل کا جواب دینے کی ٹھانی اور داخلہ امور کے وزیر مملکت عبدالحلیم موسیٰ کو بم سے اڑانے کا منصوبہ تشکیل دیا لیکن اللہ کو شاید یہی منظور تھا کہ عبدالحلیم موسیٰ اس حملہ میں بچ گئے کیونکہ وہ اس راستے سے اس روز گزرے ہی نہیں جب اس وقت بم پھٹنا تھا۔عوامی اسمبلی کے اسپیکر رفعت المحجوب کا قافلہ وہاں سے گزرا، بم پھٹا اور اسپیکر عوامی اسمبلی ہلاک ہو گئے ۔

اسلامی گروپ نے حکومتی غم وغصے سے نپٹنے کے لئے اپنی حکمت عملی تبدیل کی اور طے پایا گیا کہ ایک طویل المیعاد حکمت عملی ترتیب دی جائے اور حکومت کے ہر حملے کا انتہائی غور وخوض کے بعد دیا جائے۔1990ء کے اوائل میں حالات نے پھر ایک کروٹ لی۔حکومت نے ایک مرتبہ پھر الجہاد گروپ کے کارکنوں کی ایک بھاری تعداد کو گرفتار کرلیا۔پولیس نے گرفتار کئے جانے والوں میں سے 800 کارکنوں کے خلاف مقدمہ درج کر کے ان کے مقدمات عدالتوں کے سپرد کردیئے۔عدالت نے ملزموں کو دھڑا دھڑ سزائیں سنانا شروع کردیں اور ان میں چار ملزموں کو عدالت نے موت کی سزا سنادی۔حکومت کے ترجمان اخبارات ایک گولی چلائے بغیر الجہاد گروپ کے 800 کارکنوں کی گرفتاری کی خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ہماری آغاز سے ہی یہ کوشش رہی کہ آہستہ آہستہ جہاد کو پھیلایا جائے اور تبدیلی کے عمل کے لئے منظّم کوششیں کی جائیں۔

حکومت نے جب اسلامی گروپ پر کھلے حملوں کا آغاز کیا تو پھر ہم نے بھی یہ فیصلہ کیا کہ حکومت کے ساتھ براہ راست محاذ آرائی کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ہم نے وزارت داخلہ کے نئے وزیر حسن الالفی کو ہلاک کرنے کا منصوبہ تشکیل دیا۔منصوبہ یہ تھا کہ ایک موٹر سائیکل کو آتش گیر مادے لاد کر وزیر داخلہ کی گاڑی سے ٹکرایا دیا جائے۔منصوبے پر عمل درآمد ہوالیکن وزیر داخلہ بچ گئے تاہم اس حملہ میں ان کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔اسے کاغذوں کے ڈھیر نے بچالیا جو اس کے پہلو میں موجود تھا۔یہ حملہ وزیر مواصلات صفوت الشریف پر حملے کے بعد کیا گیا تھا۔وزیر مواصلات بھی ایک ایسے ہی حملہ میں بچ گئے تھے، پھر الجہاد گروپ نے ملٹری کے مرکزی کمانڈر پر گھات لگا کر حملہ کیا۔اس ملٹری کمانڈر نے اسلامی گروپ کے تمام رہنماؤں جن کو فوجی عدالت سے سزا سنائی گئی تھی ان سزاؤں کی توثیق کی تھی۔یہ حملہ بھی ناکام ہوگیا کیونکہ کمانڈر کی کار بلٹ پروف تھی۔

پولیس نے گھر گھر چھاپوں کے دوران جس طرح اسلامی گروپ کے لوگوں کو اپنی سربیت کا نشانہ بنایا جس پر الجہاد گروپ کے لوگوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔انہوں نے اس بے عزتی کا بدلہ لینے

کا پروگرام بنایا اور اس کا جواب یوں دیا گیا کہ وزیر اعظم عاطف صدقی کے قافلے پر حملہ کر کے وزیر اعظم کو قتل کرنے کا منصوبہ تشکیل دیا اور اس کے لئے آتش گیر مادے سے بھری ہوئی ایک کار استعمال کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ بوبی ٹریپ میں استعمال ہونے والی کار دھماکے سے وزیر اعظم کی گاڑی سے ٹکرانے کو نکلی تو وزیر اعظم کی کار کے ڈرائیور نے گاڑی کو انتہائی سرعت کے رفتاری سے موڑ دیا جس سے وزیر اعظم کو معمولی خراشیں ہی آسکیں لین کے بارود کی زد میں آ کر ایک اسکول کی طالبہ، معصوم بچی آ گئی۔ یہ بچی شیما سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ حکومت نے الجہاد گروپ کے اس حملے کے بارے میں یہ پراپیگنڈہ کیا کہ یہ حملہ بچی پر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس بچی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطاء فرمائے۔ حکومت وزیر اعظم پر اس حملے اور اس میں ان کے زخمی ہونے واقعہ کو چھپا گئی۔

اسلامی گروپ کے لوگوں کو معصوم شیما کی ہلاکت کا بہت دکھ تھا کیونکہ وہ معصوم روح تو ان کا ٹارگٹ نہ تھی۔ بعد ازاں گروپ کے لوگوں نے علاقے کا سروے کیا تو معلوم ہوا کہ پہلے سے کئے گئے سروے کے نتائج درست نہ تھے۔ پہلے یہ سمجھا گیا تھا کہ یہاں ایک اسکول ہے جسے از سر نو تعمیر کیا جا رہا ہے جبکہ عقبی حصے میں بچے زیر تعلیم تھے اور انہی میں سے ایک بچی حملے کے وقت سڑک پر آ گئی تھی جس سے وزیر اعظم تو بچ گئے لیکن یہ نازک روح شیما ماری گئی۔ اس کی ہلاکت پر ہم سب دل مسوس کر رہ گئے۔ ہم سب اس کی موت پر غمزدہ تھے لیکن ہم کر بھی کیا سکتے تھے؟ ہم اللہ کی مرضی کے سامنے بے بس تھے۔ ہمیں اس ظالم حکومت کے ساتھ لڑائی کرنا تھی۔ یہ حکومت اللہ کی شریعت کے خلاف تھی اور اللہ کے دشمنوں کی حامی تھی۔

ہم لوگوں کو متعدد بار خبردار کر چکے تھے کہ وہ ان شخصیات مثلاً وزیر اعظم، وزیر داخلہ، وزیر اطلاعات اور اسی نوع کے اہم صاحبان اقتدار سے علیحدہ رہیں اور جہاں جہاں سے ان کے قافلے گزرتا ہو وہاں جانے سے گریز کریں تا کہ کسی بے گناہ انسان کی جان ضائع نہ ہو۔ حکومتی شخصیات جان بوجھ کر عوام کے اندر گھل مل جاتی تھیں تا کہ انہیں نشانہ بنایا جا سکے کیونکہ عوام بے گناہ عوام کے درمیان کسی اعلیٰ حکومتی

شخصیت کو قتل کرنا مشکل ہوتا ہے۔خدشہ رہتا ہے کہ اس کاروائی میں معصوم لوگوں کی جانی نقصان نہ پہنچے لیکن چونکہ یہ خود کو بچانے کے لئے عوام میں گھل مل جاتے ہیں اس لئے ہمارے گروپ کے سامنے یہ سوال ہمیشہ موجود رہتا کہ انہیں لوگوں سے علیحدہ کر کے کس طرح موت کے گھاٹ اتارا جائے؟ ہم نے ہمیشہ یہ کیا کہ لوگوں کو متنبہ کیا کہ فلاں فلاں شخصیت ہمارا ٹارگٹ ہے لہٰذا اس سے علیحدہ رہا جائے۔

ہمارے ایک جہادی ساتھی السید صلاح نے یہ کہہ کر ہماری دکھ بھری بحث اور غم آلود گفتگو کو ختم کر دیا کہ شیما جیسی معصوم بچی کے قتل کا ہمیں افسوس ہے لیکن جہاد جاری رہے گا۔اس طرح کے واقعات جنم لیتے رہیں گے لیکن جہاد جاری رہنا چاہیے۔ جہاں تک مسلمانوں کو ارادی طور نقصان پہنچانے کا تعلق ہے تو ہم نے امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کو مقدم جانا، جن کی رائے میں موجودہ لوگ مارے جائیں، ان کے عزیز واقارب کو خون بہا ادا کیا جائے۔ ہمارا یہ پختہ یقین ہے کہ جو لوگ اس طرح کے حادثات میں غیر ارادی طور پر مارے جائیں، ان کے قریبی عزیزوں کو خون بہا ادا کیا جائے۔اگر ہم شیما کی مثال ہی لے لیں تو ہمیں ترازو کے ایک پلڑے میں شیما کو اور ترازو کے دوسرے پلڑے میں اپنی بیٹیوں کو رکھ کر دیکھنا چاہیے۔ان بیٹیوں کو بھی دیکھا جانا چاہیے جن کے والد ایک عظیم کا کرتے ہوئے موت کے گھاٹ اتر گئے۔ان بیویوں اور ماؤں کو بھی دیکھنا چاہیے کہ جن کے شوہر اور بیٹے جہاد جیسا عظیم مشن اپنا کر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر گئے اور ان کے سامنے اللہ کی راہ میں جان دینے کا مقدس مشن تھا۔

حکومت نے مجھے اور 280 افراد کو پکڑ لیا تا کہ ہم سب کے خلاف مقدمہ قائم کیا جائے اور ہم سب کو سزائے موت دی جاسکے۔اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بچیوں (اس وقت دو تھیں) اور میرے ساتھیوں کے بچوں کو یتیم کرنا چاہتے تھے۔ ہمارے بچوں کے کیلئے کون آہ وفغاں کرتا؟ کسے ان کی پرواہ ہوتی؟ پولیس نے سید قرنی کے مکان پر چھاپہ مارا تو اس کی بیٹی نے گولی سے بچنے کے لئے دوڑ لگا دی۔ پولیس نے بھاگتی لڑکی پر فائرنگ کر کے اسے چھلنی کر دیا۔قرنی کی بیٹی خون میں لت پت وہیں ڈھیر ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہلاک ہوگئی، اس کے لئے کس نے آنسو بہائے؟

ہماری ہزاروں مائیں۔بہنیں اور بیٹیاں جیل کی سلاخوں کے باہر اس انتظار میں کھڑی ہیں کہ کوئی انہیں ان کے پیارے والدین،شوہروں اور بھائیوں سے ملوادے۔وہ ان کی یاد میں آنسو بہاتی رہتی ہیں،تڑپتی رہتی ہیں،اپنے پیاروں سے ملنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کرتیں؟اپنے بھائیوں،شوہروں اور بیٹوں سے ملنے کے لئے انہیں کن کن مراحل اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ان کے المیے میں کسے دلچسپی ہے؟لیمان طرہ جیل کے سامنے صنعا عبدالرحمٰن پر تشدد کر کے پولیس نے اس کا بازو توڑ دیا۔اس وقت صنعا کے ساتھ اس کی تین سالہ بیٹی خدیجہ بھی تھی۔الشعب اخبار نے بازو سے محروم صنعا اور اس کی بیٹی خدیجہ کی تصویر شائع کی تھی۔

پردے اور نقاب پر اسکولوں،کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کون پابندی لگا رہا ہے؟کون ہے جو ہماری بیٹیوں کو اسلام کے اقتدار کے خلاف لڑنے کے لئے کہہ رہا ہے؟اور ہماری بیٹیوں کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ مغرب اور اس کی بری اخلاقیات اور تہذیب کو اپنائیں۔

الجہاد گروپ کے ہمارے ساتھیوں نے حسنی مبارک کو ہلاک کرنے کا منصوبہ ترتیب دیا۔حسنی مبارک کو صلاح سالم روڈ پر اس وقت ہلاک کیا جانا تھا جب اس نے عید کی نماز کے لئے صدارتی محل سے نکل کر جانا تھا لیکن بدقسمتی سے ہمارا منصوبہ اس وقت نا کام ہوگیا جب حسنی مبارک کے قافلے نے مذکورہ سڑک ہی استعمال نہ کی بلکہ گاڑیوں کا قافلہ کسی دوسری سڑک سے ہوتا ہوا عیدگاہ کی جانب نکل گیا اور ہمارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔اگر اس روز قافلہ اپنا راستہ تبدیل نہ کرتا تو آج شاید جہادی تحریک کچھ اور ہوتی۔پھر حسنی مبارک کو مارنے کی ایک اور کوشش کی گئی لیکن یہ کوشش وقت سے پہلے ہی مخبری ہونے کی بناء پر پکڑی گئی۔منصوبہ یہ تھا کہ صدر حسنی مبارک کو سیدی برانی ایئرپورٹ پر اڑا دیا جائے،اس واردات میں اسلامی گروپ کے ہمارے دوستوں نے حصہ لینا تھا لیکن مخبری ہونے پر یہ منصوبہ نا کام ہوگیا اور اس طرح حسنی مبارک ایک مرتبہ پھر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

حکومت کے سیکورٹی انٹیلی جنس کے شعبے میں سب سے خطرناک افسر رؤف خیرت تھا،اس نے بنیاد

پرستوں کی تحریک کے خلاف کھلی جنگ کی ،اس نے خود کو بچانے کے لئے تمام ہتھکنڈے استعمال کئے ،مثلاً ہر چند ماہ بعد رہائش تبدیل کر لیتا۔اس کے گھر کے باہر کوئی گن مین ڈیوٹی پر نہ ہوتا۔اکثر یہ اپنی کار خود چلاتا تاکہ یہ تاثر دے سکے کہ وہ کوئی عام آدمی ہے اور اس کا حکومتی انٹیلی جنس ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے تاہم اسلامی گروپ نے اسے جالیا۔وہ اپنے گھر سے نکل کر جب کار میں بیٹھ رہا تھا تو اسلامی گروپ کے ایک مجاہد نے کار پر بم پھینکا جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔اسے مارنے کے لئے ایک طویل منصوبہ بندی کی گئی تھی ۔اس کا گھر تلاش کیا گیا ،اس کی آمدورفت کے اوقات کو نوٹ کیا گیا اور شناخت کے بعد ایک پلان تیار کیا گیا جس کے نتیجے میں وہ مارا گیا۔اس نے مجاہدین کا ناطقہ بند کر رکھا تھا اور انہیں مختلف طرح کیا اذیتوں میں مبتلا کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

حسنی مبارک پر ایک اور قاتلانہ حملے کا منصوبہ بنایا گیا۔اسلامی گروپ نے 1995ء کے موسم گرما میں عدیس ابابا میں حسنی مبارک ایک بار پھر بچ نکلے ۔الجہاد گروپ میں شامل ہمارے ساتھیوں نے دو حملوں کے بیک وقت پلاننگ کی ۔ پہلا آپریشن موسم خزاں میں اسلام آباد میں مصری سفارتخانہ پر حملہ تھا جبکہ دوسرا آپریشن اسرائیل ٹورسٹوں پر حملہ تھا۔اسے عام طور پر خان الخلیلی کیس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جولائی 1997ء میں اسلامی گروپ نے جیل سے تشدد کے خاتمے کا یکطرفہ اعلان کر دیا لیکن اس اقدام کے فوری بعد اسلامی گروپ نے مغربی ٹورسٹوں کے خلاف الاقصر آپریشن کیا۔میں نے درج بالا حقائق کو مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا تاکہ ان اہم حقائق کا ایک خلاصہ بیان کر دیا جائے جو 1988ء سے 1997ء کے جہاد کے دوران پیش آئے۔میں نے اس میں سے زیادہ تفصیلات حذف کر دی ہیں۔

بنیاد پرستی کی تحریک کو کچلنے کا عمل

انور سادات کے قتل کے بعد اسلامی گروپ کی جہادی تحریک کو حکومت نے سختی سے کچلنے کا پروگرام بنایا اور اپنے منصوبے پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ حکومت خاص طور پر اسلامی گروپ کے اندر بنیاد پرست گروپ کو توڑنا چاہتی تھی۔ حکومت کی اس مہم نے اس وقت ایک جست لگائی جب زکی بدر نے وزارت داخلہ کا چارج لیا۔ اس نے اعلان کیا کہ اسلامی گروپ کی کاروائی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اس گروپ کے قلب پر چوٹ لگائی جائے۔ اس مہم کا اولین مقصد یہ تھا کہ مسلم نوجوانوں کو مایوس کیا جائے ،ان کے دل میں مایوسی ڈال دی جائے کہ حکومت کے خلاف مزاحمت کوئی فائدہ مند یا نتیجہ خیز نہیں ہے اور یہ کہ اس مزاحمت کے نتیجے میں تباہی و بربادی اور جانی نقصان ہوگا اور یہ کہ اس کا ایک ہی حل ہے کہ مسلم نوجوان ہتھیار پھینک دیں اور مزاحمت ختم کر کے قومی دھارے میں شامل ہو جائیں اور حکومت اپنی مرضی کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتی ہے اسے اس کی آزادی دی جائے اور اس کے ہر پروگرام میں مزاحم نہ ہوا جائے ورنہ اس کے نتائج مثبت کی بجائے منفی نکلیں گے۔ یہ تھا حکومتی مہم اور خاص طور پر بدر زکی کی مہم کا مقصد!!!

اگر اسلامی گروپ اس مہم کا موثر جواب دینے میں کوتاہی کرتا یا ناکام ہو جاتا تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ پوری اسلامی تحریک ناکامی سے دوچار ہوگئی ہے اور اس سے تحریک کا مجموعی مورال بھی گرتا جو کہ ہمیں کسی صورت منظور نہ تھا۔ اس خطے کے بارے میں یہودیوں کی پالیسی یہ تھی کہ کہ مسلمانوں کو مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا جائے تاکہ بحیثیت قوم ان میں مزاحمت کا خاتمہ کرنے کی قوت ہی ختم ہو جائے۔ انہیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ مسلمانوں میں مزاحمت کا خاتمہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے دل پر مایوسی کے بادل چھا جائیں اور وہ سوچنے لگیں کہ مزاحمت کرنا ایک بیکار عمل ہے۔

جہاد کے ذریعے اس وحشیانہ مہم کے خاتمے کا مقصد یہ تھا کہ نہ صرف مسلم نوجوانوں کو مایوسی کی اتھاہ

گہرائیوں سے نکالا جائے بلکہ ان کے دل امید سے روشن کردیئے جائیں۔ان کے دل خوداعتمادی کے جذبے سے معمور ہوجائیں اوران کا اللہ پر ایمان پختہ ہوجائے۔ جہاد کے فوائد مسلم نوجوانوں کے دل سے امید سے روشن کرنے سے بڑھ کر ہیں ۔مزاحمت ایک ایسا ہتھیار ہے جوحکومت کے خوشامدیوں کے اداروں کمزور کردیتا ہے۔اس کے علاوہ جہاد کوآگے بڑھانے کا عمل اورامریکہ اور یہودیوں کے مفادات کونقصان پہنچانے کے عمل نے مسلم نوجوانوں کے دل میں مزاحمت کے چراغ روشن کئے کیونکہ مسلم نوجوان جان گئے ہیں کہ امریکہ اور یہودی اس خطے کے لئے کتنے خطرناک ہیں۔اس صورتحال کو دیکھا جائے توسوائے جہاد کے کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔کوئی بھی تجزیہ نگار باآسانی اندازہ لگاسکتا ہے کہ اگرانورسادات کو ہلاک نہ کیا جاتا تو کتنی تباہی ہوتی۔

مصرکا کوئی بھی آزاد تجزیہ نگار مصر کی سیاسی صورتحال کا آسانی سے تجزیہ کرسکتا ہے کہ مصر دوطاقتوں کے مابین پھنسا ہوا ہے۔ایک سرکاری طاقت کا جبکہ دوسری عوامی طاقت ہے جس کی جڑیں عوام میں بہت گہری اتر چکی ہیں اور جس کی عام صورت اسلامی تحریک اور خاص صورت جہاد ہے۔پہلی طاقت کوامریکہ،مغرب،اسرائیل اور متعدد عرب حکمرانوں کی حمایت حاصل ہے جبکہ دوسری طاقت کا انحصار اللہ تعالیٰ کے بعد پوری مسلم دنیا میں اٹھنے والی اسلامی جہاد کی تحریک پر ہے۔ یہ تحریک چیچنیا سے لےکرصومالیہ تک اورمشرقی ترکستان سے لےکرمراکش کے مغرب تک پھیلی ہوئی ہیں۔

دونوں طاقتوں کے مابین دشمنی بہت واضح ہے پہلی طاقت کا اصرار ہے کہ اسلام کو ہرقسم کی طاقت سے محروم کردیا جائے اوراس کے تمام شعبوں کوسربیت،وحشت انگیز کاروائیوں اورالیکشن میں دھاندلی کے ذریعے ہرقسم کے اختیار اور توانائی سے محروم کردیا جائے جبکہ دوسری طاقت کا کہنا ہے کہ امن معاہدوں پردستخط کرکے ملک کواسلام دشمنوں کیلئے کھول دیا گیا ہے۔ یہ اسلام دشمن امریکی اور یہودی ہیں اور یہ کہ حکومت نے امریکہ کے ساتھ مشترکہ فوجی مشقیں کرکے ملک کی سرزمین کواس کے حوالے کردیا ہے۔ یہ نظریات کی جنگ اور بقاء کی جدوجہد ہے۔ یہ جنگ کسی وقفے کے بغیر جاری ہے۔

مصر میں اسلامی جہادی تحریکوں کے اس مختصر پس منظر کا جائزہ لینے کے بعد ہم تھوڑا سا توقف کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ 1966ء سے لے کر 2000ء تک اس تحریک سے کیا حاصل ہوا؟ اس کا جواب دینے کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مختصراً اس تحریک کے درج ذیل نتائج نکلے۔

وسعت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عرصے کے دوران جہادی تحریک پھلی اور پھولی اور مسلم نوجوانوں میں اس نے اپنی جڑیں مضبوط کیں اور اس میں وسعت پیدا ہوئی۔

تصادم:

اسلامی تحریک اپنے آغاز سے ہی اسلام دشمنوں کے خلاف جارحانہ کردار ادا کرتی رہی ہے۔اس نے ثابت کیا کہ آخر سانس تک مزاحمت جاری رہے گی۔ٹیکنیکل ملٹری کالج 1974ء کے واقعہ سے لے کر 1997ء میں رونما ہونے والے لکسر تک کے واقعات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

مسلسل عزم:

اسلامی تحریک نے بیش بہا قربانیاں دیں، سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے جیلیں کاٹیں سینکڑوں زخمی ہوئے، ان گنت لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور اس جدوجہد میں ہزاروں لوگ شہید ہوئے۔اس سے دو چیزیں ثابت ہوئیں۔پہلی چیز یہ کہ اسلامی تحریک کی جڑیں عوام میں بہت مضبوط اور گہری ہیں۔تمام تر قربانیوں اور کٹھن حالات کے باوجود اسلامی تحریک صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے زندہ رہی ہے۔مصر میں کسی اور سیاسی تحریک کو نہ تو اتنا دبایا گیا اور نہ ہی اس کے کارکنوں نے اتنے دکھ جھیلے، جس قدر ظلم اسلامی تحریک سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے برداشت کیے۔دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ یہ تحریک حکومت کی سیکورٹی نظام کے لئے ایک مسلسل خطرہ بنی رہی۔اسکا ثبوت یہ ہے کہ حکومت کو ایمرجنسی قوانین بنانے پڑے۔فوجی عدالتیں قائم کی گئیں اور انسداد دہشت گردی کے لئے مختلف قوانین تشکیل دیئے

گئے، جن کے مستقبل قریب میں بھی خاتمے کے کوئی امکانات نہیں اوراس پر طرہ یہ کہ ساٹھ ہزار کے قریب لوگوں کو جیلوں میں بند کیا گیا اوران میں سے کچھ تو گذشتہ بارہ سال بغیر کسی مقدمے کے جیل میں پڑے سڑ رہے ہیں۔

عالمی اتحاد:

حکومت کے پاس کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اسلامی تحریک اور مجاہدین کے خلاف اس جنگ کو ایک عالمی جنگ میں تبدیل نہ کردے۔ خاص طور پر اس وقت جب امریکہ یہ ماننے پر مجبور ہوگیا کہ بنیاد پرستوں کے خلاف جنگ میں حکومت اکیلی کامیاب نہیں ہوسکتی اور یہ کہ جہادی تحریک خطے میں چیزوں کو تہہ وبالا کرتی رہے گی اور امریکہ کو باہر نکال کرے گی اور یہ سوچنے سے ہی امریکہ اور مغرب دہل جاتا ہے۔

جنگ کا تسلسل:

اسلامی تحریک میں روز بروز ہونے والی پیش رفت کا جائزہ لینے والا کوئی بھی مبصر آسانی سے محسوس کرسکتا ہے کہ حکومت کے ساتھ جاری اس محاذ آرائی میں ایک تسلسل ہے اور یہ سلسلہ کہیں ٹوٹا نہیں۔ یہ جنگ گذشتہ 36 سال سے جاری ہے۔ بنیاد پرستی کی یہ تحریک یا تو کہیں نہ کہیں حملوں میں مصروف ہے یا حملے کی تیاری میں مصروف ہے۔

حکومت اوراس کی پروردہ صحافت اور بیرون ملک لوگوں کو خواہ مخواہ یہ یقین دلانے کی فضول کوشش میں مصروف رہتی ہے کہ یہ جنگ ختم ہوچکی ہے حالانکہ ایمرجنسی قوانین کا نفاذ بھی جاری ہے اور سیکورٹی پر زر کثیر خرچ کیا جارہا ہے۔ اگر جنگ ختم ہوچکی ہے تو پھر سیکورٹی پر کروڑوں خرچ کرنے کا سلسلہ بند کرکے ایمرجنسی قوانین ختم کیوں نہیں کردیئے جاتے۔

حکومت کے تمام تر اقدامات سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ جنگ ختم نہیں ہوئی بلکہ جاری ہے اور صورتحال لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ حکومت کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ اس عالمی تحریک نے ایک

پوری نسل کو جنم دیا ہے اور سیکورٹی ایجنسیاں بھی مل کر اس کو ختم نہیں کر سکتیں۔

حسنی مبارک کی حکومت نے چھ وزرائے داخلہ باری باری تبدیل کئے۔ ہر نئے آنے والے اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ ملک سے دہشت گردی ختم کر دے گا لیکن ابھی نئے وزیر داخلہ کے تحریر کردہ اعلان کی سیاہی بھی خشک نہ ہوتی تھی کہ ملک میں ایسا واقعہ ہو جاتا کہ حکومت اپنے وزیر داخلہ سمیت کانپ اٹھتی۔ اس طرح حکومت وزیر پر وزیر تبدیل کرتی رہی لیکن دہشت گردی نہ رکی۔ یہ جہاد ہے جسے دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے۔ ہر نئے آنے والے وزیر نے اپنی نامزدگی کو درست ثابت کرنے کے لئے امن وامان کے حوالے سے اوٹ پٹانگ نعرے بلند کئے۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ جہاد جاری ہے اور مزاحمتی تحریک ابھی دبی نہیں۔ یہ شعلہ ابھی بجھا نہیں بلکہ بھڑک رہا ہے۔

ایک واضح نظریہ

اسلامی تحریک اپنے نظریے کے موٹے موٹے نکات عوام اور دنیا پر واضح کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اس نظریے کی بنیاد قرآن مجید کے ٹھوس دلائل، نبی اکرم ﷺ کی سنت پر رکھی گئی ہے۔

منصوبہ بندی کی کمزوریاں اور جہادی تیاریاں

ہمیں یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ ٹیکنیکل ملٹری کالج اور آسوٹ کے واقعات کی منصوبہ بندی درست طریقے سے نہیں کی گئی بلکہ اس پلاننگ میں متعدد خامیاں تھیں۔ ان خامیوں کی وجہ سے یہ منصوبے کافی ناکامی سے دوچار ہوئے۔ اگر منصوبہ بندی مکمل ہوتی اور پلاننگ کرتے ہوئے تمام زمینی حقائق کو مدنظر رکھا جاتا تو یہ منصوبے کبھی ناکام نہ ہوتے بلکہ یہ جس طرح سوچے گئے تھے اس سے بھی زیادہ کامیاب ہوتے۔ منصوبہ سازی میں موجود چھوٹے چھوٹے خلاؤں کی وجہ سے یہ منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور ان سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہو سکے۔ اگر اسلام آباد میں مصری سفارت خانے کی تباہی، انور سادات کے قتل، عصام القمری کے فرار اور رفعت الحبیب کے قتل کے منصوبے مکمل چھان

بین کے بعد ترتیب دیئے جاتے اور ان میں موجود خلا دور کر لئے جاتے تو یہ تمام منصوبے مکمل طور پر کامیاب ہوتے اور اسلامی تحریک اس افراتفری سے بھی نجات حاصل کر لیتی جو کہ اس کے اکثر منصوبوں میں نظر آتی ہے۔

لوگوں تک کمزور پیغام رسانی

بنیاد پرستوں کا پیغام خاص لوگوں، ماہرین اور الیٹ کلاس تک محدود رہا۔ عام لوگ تحریک کے اس پیغام کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ یہ وہ خلاء ہے جسے اسلامی تحریک کو فوری طور پر پُر کرنا چاہیے۔

چند رہنماؤں کی مزاحمت کو جاری رکھنے میں ناکامی

اس کی بہترین مثال اسوار اجیل میں مجاہد رہنماؤں کی جانب سے ملٹری حکومت کے خلاف جہاد کا آغاز تھا۔ اس پر ان شاء اللہ پھر کبھی تفصیل سے لکھوں گا۔

نتیجہ

گذشتہ 36 سالوں میں جہاد کی تحریک کامیاب ہوئی یا ناکام اس کا جواب درج ذیل ہے۔

الف:۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اسلامی تحریک کا مقصد کہ مصر میں ایک اسلامی حکومت قائم ہو ابھی حاصل کرنا باقی ہے۔

ب:۔ جہاد اسلامی تنظیم نے مصر میں اسلامی حکومت کے قیام کی کوئی حتمی تاریخ طے نہیں کی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسا مقصد ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے کئی کئی نسلوں کو قربانی دینا پڑتی ہے۔ فلسطین اور شام میں دو صدیوں تک جہاد جاری رہا تھا اور اس وقت اسلامی مملکتوں کے حکمران بادشاہ بھی جہادی تھے اور ان کے پاس باقاعدہ تربیت یافتہ افواج بھی تھیں اور اس وقت معروف مذہبی اسکالر مثلاً الفر بن عبد السلام، النوائی اور ابن تیمیہ رحمہم اللہ بھی موجود تھے اس کے باوجود جنگیں طویل عرصے تک لڑی گئیں۔ انگریز مصر پر 70 سال تک حکمران رہے جبکہ فرانس نے الجیریا پر

120 سال تک حکومت کی۔

ج:۔ جہاں تک میرے مشاہدے اور بصیرت کا تعلق ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ جہاد اسلامی تحریک کو فتح کرنے کے لئے ایک طویل اور کٹھن راستہ طے کرنا ہوگا کیونکہ:

اول:۔ یہ ایک واضح نظریے کی بنیاد پر قائم ہے اور اس کی بنیادیں سنت پر استوار ہیں۔

دوئم:۔ جہادی تحریک مسلم نوجوانوں کے ذہنوں میں تحریک کا ایک واضح امیج ڈالنے میں کامیاب ہوچکی ہیں جو کہ قبل ازیں عوام کی اکثریت کے ذہن میں نہیں تھا یا پھر یہ کہ ان کے ذہنوں سے محو ہو چکا تھا۔

سوم:۔ جہادی تحریک مصری حکومت کے عالمی تحریک کے ساتھ رابطوں کو منظر عام پر لا چکی ہے۔

چہارم:۔ جہادی تحریک نے خود کو صرف نظریاتی مباحث ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس نے ایک عملی مخاصمانہ تحریک کی بنیاد ڈالی جس نے حکومتی ایوانوں کو متعدد بار ہلا کر رکھ دیا اور یہ سابق صدر کو قتل کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے۔

پنجم:۔ درج بالا حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہادی تحریک نے مسلم نوجوانوں کو نظریاتی سطح پر اور عملی سطح پر زبردست طریقے سے متاثر کیا ہے۔اس سے مصری نوجوانوں میں بنیاد پرستی کو فروغ ملا ہے۔اس کے علاوہ بنیاد پرستی کی یہ تحریک مصر میں عوام کی ایک کثیر تعداد کو بھی متاثر کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے۔مثال کے طور پر سادات قتل کیس میں بچنے والے ایک نوجوان نے مجھے بتایا کہ سادات کیس کے دوران ایک وکیل نے کسی نہ کسی طرح اس تک رسائی حاصل کی اور انتہائی پر جوش لہجے میں اسے کہا: ''تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟'' سادات کے قتل سے مصری لوگوں میں ایک بار پھر امید بندھ گئی ہے۔ جہاد اسلامی کا کوئی بھی مبصر با آسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ جہاد کے آغاز سے لے کر اب تک جہادی تحریک نے کس سرعت رفتاری سے پیش رفت کی ہے اور جہادی نظریے میں اور اس کی طاقت میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟

ششم:۔ اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جہادی تحریک عام طور پر ترقی کر رہی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں پیش رفت ہو رہی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تشدد اور سربیت کے دنوں میں کچھ عرصہ کے لئے اس میں وقفہ آ گیا ہو لیکن تحریک رکی نہیں۔

باب نمبر 6

جب دوسری خلیجی جنگ ہوئی تو امریکی بحری بیڑہ اور مسلح افواج اس خطے میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے آگے آئے تاہم انہوں نے دیکھواور انتظار کرو کی پالیسی کو اپنایا چہ جائیکہ وہ کھل کر مسلمانوں کو اپنا دشمن بنا لیتے۔افغانستان میں ایک مجاہد ملا عمر حفظہ اللہ نے امریکہ سے کہا کہ وہ اسلامی شریعت کی عدالت میں پیش ہو کر اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کی دہشت گردی کی کاروائیوں میں ملوث ہونے کی شہادت پیش کرے تو امریکہ نے اس کا مذاق اڑایا۔امریکہ کا ملا عمر حفظہ اللہ سے بات چیت سے انکار ایک کھلی توہین کے مترادف تھا۔

امریکہ جانتا تھا کہ افغانستان میں اس کی مداخلت کے کیا نتائج برآمد ہوں گے کیونکہ یہ تاریخ کا فیصلہ ہے کہ ''اگر میں اسلام کے دفاع کی جنگ میں لڑتا ہوا شہید ہو گیا تو میرا بیٹا میرا انتقام لے گا''

میں بھی امریکہ سے یہ کہتا ہوں کہ افغانستان ایک ''بنیاد پرست سرزمین'' بننے والی ہے جس کے ایک سرے پر پاکستان ہوگا۔امریکہ نے روسی افواج کو مغربی اسلحہ سے لیس کر کے چیچنیا کو کچلنے کے منصوبے کا آغاز کر دیا ہے تاکہ جب یہ مہم جوئی ختم ہو تو پھر وہ اپنی نگاہیں جنوبی افغانستان پر جمالے۔

جہاں تک عرب ملکوں کی فوجوں کا امریکی فوج کے ساتھ مشترکہ فوجی مشقوں کا تعلق ہے تو یہ اس لئے کی جارہی ہیں تاکہ عرب ممالک میں بنیاد پرستوں کو طاقت کے حصول سے روکا جاسکے۔ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مصر میں جہادی تحریک کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی دنیا کی سرحدوں کا جائزہ لیا جائے۔ہم اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا حصہ اسلام دشمنوں پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ اسلامی تحریکوں کے جائزے پر مشتمل ہے ۔امریکہ کی اسلام بارے پالیسی کے نکات میں چند باتیں نہایت اہم ہیں۔

امریکہ کا بنیادی کردار اسرائیل کو مضبوط کرنا اور اس کی مسلسل مدد کرنا ہے، ماسوائے اسرائیل کے ، جو کہ بجائے خود امریکہ کا ایک بہت بڑا فوجی اڈہ ہے۔ دوسری خلیجی جنگ سے قبل امریکہ کے مشرق وسطیٰ میں کہیں بھی اتنی بڑی تعداد میں فوجی اڈے نہ تھے۔ جونہی دوسری خلیجی جنگ برپا ہوئی امریکہ اپنے جہازوں، بحری بیڑوں، ٹینکوں، توپوں اور مسلح افواج کے ساتھ اس علاقے کو زیرنگیں کرنے کے لئے کود پڑا تاکہ مشرق وسطیٰ کے معاملات کو بندوقوں کے سائے تلے خود کو کنٹرول کر سکے۔ اس خطے میں امریکی افواج کی اس سازشانہ موجودگی سے بہت سے نئے حقائق کھل کر سامنے آئے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی حقیقت یہ کھلی کہ امریکہ اس خطے میں مسلمانوں کے سب سے بڑے اعلانیہ دشمن کے طور پر پہلی بار کھل کر سامنے آیا۔ بعدازاں عرب اسرائیل تنازعے میں اور دیگر ملکوں کے اندرونی معاملات میں امریکی انتظامیہ نے ظاہر کیا کہ وہ ان معاملات میں غیر جانبدار رہے۔

اب اس خطے میں امریکی عزائم کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ عراق پر حملے کے ذریعے امریکہ تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور اس خطے میں کچھ عرب ملکوں کے سیکورٹی کے معاملات کا خود انتظام کرنا چاہتا ہے۔ مصری اسٹیٹ سیکورٹی انوسٹی گیشن ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ کوارٹر کے اندر امریکہ کا انٹیلی جنس .... ریکارڈ رکھتا ہے اس کے علاوہ مصر میں قاہرہ کے جنوب میں امریکی اڈے بھی موجود ہیں۔ اڈے وادی قنا اور راس بناس (بحری اڈہ) میں واقع ہیں۔

مشترکہ امریکی مشقوں کے مقاصد

اگر آپ مشترکہ امریکی مشقوں برائٹ اسٹار وغیرہ کا جائزہ لیں تو امریکی عزائم آپ کے سامنے کھل کر آ جائیں گے۔ ان مشقوں میں جنہیں گذشتہ سال ''برائٹ اسٹار 99'' کا نام دیا گیا۔ اس میں امریکہ اور مصر سمیت 9 ملکوں نے حصہ لیا جبکہ 33 ملکوں نے بطور مبصر یہ مشقیں دیکھیں۔ اس مشترکہ فوجی مشق میں 73 ہزار سپاہیوں، 210 لڑاکا طیاروں، 55 جنگی بحری جہازوں نے حصہ لیا یہ مشق دنیا

کی سب سے بڑی فوجی مشق تھی ۔فرانسیسی فوجوں کے کمانڈر جنرل ہارڈی کے مطابق ''یہ مشقیں دنیا میں سب بڑی اور اہم کثیر القومی مشقیں تھیں''۔ان مشقوں کے پیچھے مصر اور امریکہ کی سوچ کارفرما تھی کہ اگر مصر پر کبھی بنیاد پرستوں کا قبضہ ہوگیا تو ان سے قبضہ واگزار کرانے کے لئے اسی طرح کا ایکشن کیا جائے گا۔ان مشقوں میں حملہ آور فوجوں نے مغربی ساحل پر قبضہ کیا اور قاہرہ کے جنوب مشرق کی طرف مارچ کیا۔ یہ راستہ نپولین بوناپارٹ نے اپنی مصری مہم کے دوران اختیار کیا تھا۔

مصری مسلح افواج اسرائیل اور اس نوع کے دیگر دشمنوں کے حملوں سے نپٹنے کے لئے تیاری نہیں کر رہی بلکہ بنیاد پرستوں سے دارالخلافہ چھڑانے کی تیاری کر رہی ہیں یعنی دوسرے لفظوں میں اسرائیلی فوج مصری حکومت کی دشمن نہیں بلکہ قاہرہ میں بنیاد پرست اس حکومت کے لئے خطرہ ہیں ۔امریکیوں نے خود کو اس سطح پر محدود کرلیا ہے کہ وہ اس خطے میں موجود رہیں گے جبکہ مصری حکومت اس خطے میں ان کے مفادات کا تحفظ کرے گی تاہم جب امریکی یہ محسوس کریں گے کہ ان کے مفادات کو براہ راست خطرہ ہے تو وہ ان سے نپٹنے کے لئے خود جنگ میں کود پڑیں گے پھر وہ مصری حکومت کا انتظار نہیں کریں گے اور اس کی مثال ہم نے افغانستان میں دیکھ لی۔

امریکہ کی اس خطے میں موجودگی کا یہ مطلب ہے کہ جب امریکہ کے ایجنٹ اس کے مفادات کا تحفظ کرنے میں ناکام ہوجائیں تو وہ خود آگے بڑھ کر اپنے دشمنوں یا اپنے مفادات کے خلاف کام کرنے والوں سے نپٹ لے ۔امریکہ کی اس خطے میں موجودگی کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ خطے میں ہونے والے واقعات کی رفتار تیز کردی جائے تاکہ یہاں اس کی موجودگی کا جواز بنا رہے۔

بنیاد پرستی کی تحریک کی نشو ونما

یہودیوں کی اس خطے میں موجودگی کے خلاف مزاحمت اور بنیاد پرستی کی مہم میں تیزی آتی جارہی ہے ۔یہود دشمنی کی تحریک اس قدر موثر اور طاقتور ہوچکی ہے کہ امریکہ نے شاید یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اس کے

ایجنٹ اس کے دشمنوں کے خلاف مزاحمت کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں اور یہ دشمن اتنے طاقتور ہو چکے ہیں کہ اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ امریکہ ان مخالفوں کے خلاف خود براہ راست ایکشن لے اور اس ایکشن میں ان امریکی فوجوں سے مدد لی جائے جو اس وقت خطے میں موجود ہیں۔

امریکی فوجوں کی اس خطے میں موجودگی امریکہ کی خارجہ پالیسی کے ایک اہم قدم کے طور پر ہے۔امریکہ نے محسوس کرلیا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ مسلم ملکوں سے اسرائیل کی موجودگی اور خطے میں عظیم تر اسرائیل کے قیام کے لئے توسیع پسندانہ عزائم کو تسلیم کروایا جائے۔امریکہ اور عالمی یہودی حکومت کو یہ باور ہو چکا ہے اس خطے کی اقوام کا مطالبہ اسلامی حکومتوں کا قیام ہے کیونکہ اس خطے کو عالم اسلام کا مرکز تصور کیا جاتا ہے۔وہ محسوس کر چکے ہیں کہ ان معاملات پر سمجھوتہ ناممکن ہے تاہم امریکہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو طاقت، دھوکے، دھونس، دھاندلی اور پراپیگنڈے سے پورا کرے اور بالآخر فوجی ایکشن کر کے سارا معاملہ ہی ختم کر دے۔یہ پالیسی جتنی بھی طویل ہو جائے بہرحال امریکہ کی ایک کم مدت پالیسی ہے۔

بنیاد پرستوں کا عالمی سطح پر تعاقب

اگر میں اسلام کے دفاع کی جنگ میں شہید ہو گیا تو میرا بیٹا محمد میری شہادت کا بدلہ لے گا لیکن مجھے سیاسی موت مارا گیا ہے اور میں نے حکومت کو دلائل دینے میں اور یکطرفہ حل دیئے جانے میں اپنا وقت صرف کیا ہے۔میرے بیٹے کو کیا چیز تحریک دے گی؟ اگر میں نے اپنے ہتھیار سودے بازی کی مارکیٹ میں فروخت کر دیئے کہ وہ وہاں سے ہتھیار خریدے۔اس سے بھی زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ مزاحمت شریعت کی طرف سے عائد کردہ ایک فرض ہے۔

سوویت یونین کے انہدام کے بعد امریکہ نے متعدد مما لک کو سیکورٹی کے معاملات میں ڈکٹیشن دینا شروع کر دی جس کے نتیجے میں یہ متعدد ملکوں کے ساتھ سیکورٹی کے معاہدے طے کرنے میں کامیاب

ہوگیا ہے ۔اس طرح متعدد ممالک کی حکومتوں کی مجاہدین کے تعاقب میں صلاحیت اور طاقت میں اضافہ ہوا ہے۔ بلاشبہ اسکے بنیاد پرستی کی تحریک پر اثرات پڑے ہیں ۔ابھی تک جہادی تحریک کے لئے یہ ایک نیا چیلنج ہے اور اس چیلنج سے نپٹتے ہوئے جہادی تحریک نے ان تمام امور کے خلاف مزاحمت کی جو اس کے اثر کو کم کر سکتے تھے۔ یہ اس نے امریکہ کو نشانہ بناتے ہوئے کیا۔

ہمیں یہاں یہ بھی بیان کرنا چاہیے کہ مارچ 1996ء میں شرم الشیخ کانفرنس ہوئی اور اس میں عرب ممالک کے سربراہوں یا ان کے نمائندوں نے شرکت کی جبکہ سوڈان ،عراق ،شام اور لبنان اس میں شریک نہ ہوئے ۔امریکہ، روس اور متعدد مغربی ممالک یہ یقین دہانی لینے میں کامیاب ہوگئے کہ اسلامی ممالک کی طرف سے اسرائیل پر کوئی حملہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ ایک شرمناک اور ذلیل کرنے والا واقعہ تھا اور اس میں مجھے معروف عرب شاعر کا شعر یاد آتا ہے جو اس طرح سے ہے:

جو شخص اپنی عزت نہیں کرتا

اس کیلئے اوروں کی بے عزتی برداشت کرنے کی گنجائش ہوتی ہے

آپ ایسے شخص کو زخم لگا کر

درد کا احساس کس طرح دلا سکتے ہیں

اگر وہ

پہلے ہی مر چکا ہو۔

کانفرنس نے عوامی قراردادیں منظور کیں اور اسرائیلی سیکورٹی کے تحفظ کے لئے اور خفیہ سیکورٹی کے تعاون کے منصوبے منظور کئے ۔امریکہ کی سرپرستی اور رہنمائی میں عرب وزرائے داخلہ نے ایک کانفرنس منعقد کی اور اس کانفرنس میں دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لئے باہمی تعاون کے ایک معاہدے پر دستخط ہوئے اور وہ ہر سال اس معاہدے میں پابندی کی ایک نئی شق شامل کردیتے ہیں ۔امریکہ محض اس کانفرنس کے انعقاد اور معاہدے کی تشکیل سے ہی مطمئن نہ تھا۔اس نے اس معاملے کو

اپنی تنظیم اقوام متحدہ میں گھسیٹ لیا کہ وہ افغانستان پر معاشی پابندیاں لگانے کے لئے ایک قراداد پاس کرے کیونکہ افغانستان نے اس کی (امریکہ) حکم عدولی کرتے ہوئے اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کو اس کے حوالے نہیں کیا۔

ملا عمر حفظہ اللہ کی طرف سے امریکہ کی نافرمانی

1990ء میں امریکہ نے مقابلے کا ایک اور محاذ کھول لیا جس نے اس کے اقتدار اور تکبر کو ایک چیلنج سے ہمکنار کر دیا۔ دو مسلم ریاستوں افغانستان اور چیچنیا کے لوگوں نے کافر حکومتوں کے خلاف اللہ کے حکم پر جہاد کا راستہ چنا۔ معاملہ یہاں رکا نہیں۔ یہ دو ممالک دنیا بھر سے آنے والے مجاہدین اور مہاجرین کے لئے ایک محفوظ جنت بن گئے۔ ان مہاجرین اور مجاہدین کو امریکہ عرب افغان بنیاد پرست، دہشت گرد اور اس نوع کے دیگر ناموں سے یاد کرتا ہے۔ امریکہ سے یہ نافرمانی مسلمانوں کے خلیفہ ملا عمر حفظہ اللہ نے کی جب اس نے اسامہ بن لادن حفظہ اللہ اور اس کے ساتھیوں کو امریکہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ ملا عمر اس وقت بھی ثابت قدم رہے جب امریکہ نے افغانستان پر مزائیلوں سے حملہ کر دیا اس دوران چیچن مجاہدین نے روس کے خلاف نافرمانی کی اور جہاد کا آغاز کیا۔

باب نمبر 7

نیروبی میں امریکی سفارت خانے کی تباہی کے دوران القاعدہ کے ایک سرکردہ رہنما ہلاک ہوگئے ۔ابوسلیمان المغربی نے اس پر ایک طویل مرثیہ لکھا جس میں انہوں نے اپنے ساتھی کی زندگی اور شجاعت کے کارناموں کو بیان کیا۔پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ کے کسی قریبی ساتھی نے اس کھلے عام بموں کی بارش کے دوران اپنے ساتھی کا نوحہ بیان کیا ہو۔

یہاں میں سید قطب شہید رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کرتا ہوں۔سید قطب جو کہ بنیاد پرستی کی تحریک کے نظریہ سازوں میں سے تھے کہتے ہیں: ''آگے بڑھتے ہی رہو۔بے شک تمہارا راستہ کتنا ہی خون آلود کیوں نہ ہو۔اپنا سر دائیں سے بائیں (انکار میں) مت ہلاؤ۔بلکہ سامنے جنت کی طرف دیکھو۔جو کہ تمہاری منزل مقصود ہے''۔اسلامی گروپ کے بعض لوگوں نے جب بھی جہادی تحریک روک دینے کی بات کی ۔میں محسوس کرتا ہوں کہ ان مواقع پر ان کے نقطہ نظر میں جو تبدیلی آئی ،اس سے بھی جہادی تحریک کو نقصان پہنچا کیونکہ جو لوگ جہادی تحریک سے متعلق تھے یا وہ بھی جن کا اس جہادی تحریک سے کوئی تعلق نہ تھا،انہوں نے بھی اس بارے میں بحث وتمحیص شروع کردی۔میں نے اسے ذرا بے تکلفی سے زیر بحث لانے کا ارادہ کیا ہے تاکہ اس کی تمام تر تفاصیل سامنے آسکیں۔

میں اسلامک گروپ میں اپنے جہادی بھائیوں سے معذرت چاہتا ہوں۔میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں اور محبت کے ساتھ ان کے خیالات پر تنقید کررہا ہوں تاہم شریعت کی تشریح کی کوشش کے دوران میں نے محسوس کیا ہے کہ جو جو درست ہے وہی میرے نزدیک قابل تحسین ہے نا کہ میرے

جہادی بھائیوں کا پیار۔

میں اپنی اس بات کا آغاز اس اپیل سے کرتا ہوں جو اسلامی گروپ کی آسوان برانچ کے لیڈر خالد ابراہیم نے کی جو کہ اپریل 1996ء کے اسلامی گروپ کے مقدمے میں ملزم تھے۔ لیڈر خالد ابراہیم نے جولائی 97ء میں اسلامی گروپ کے رہنماؤں کے نام سے حکومت کے خلاف ایکشن نہ کرنے کی ایک اور اپیل کی اور یہ اپیل جن رہنماؤں کے نام سے کی گئی وہ ابھی بھی لیمان طرہ اور الغرب کی جیلوں میں اپنی سزا بھگت رہے ہیں۔ اپیلوں میں کہا گیا کہ اسلامی گروپ کے مصر کے اندر ممبر اور مصر سے باہر ملٹری آپریشن روک دیں اور اس طرح آپریشن کرنے کے لئے کوئی بیان بھی جاری نہ کریں۔ اسلامی گروپ نے حکومت سے کہا کہ گروپ نے جو پیش رفت کی ہے حکومت اس کا جواب دے۔

اس وقت کے وزیر داخلہ حسن الالفی نے حکومت کے ترجمان کی حیثیت سے بیان دیا کہ اسلامی گروپ کے اس نوع کے بیانات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ گروپ کے ارکان نے اپنی جیل میں سزا میں کمی کے لئے دیئے ہیں اور دوسرا یہ بھی کہا گیا کہ حکومت قانون شکنوں کے ساتھ کسی طرح کی ڈیل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

وزیر اعظم حسن الالفی کے پیش رو اور وزیر داخلہ حبیب العادلی نے اعلان کیا کہ حکومت کسی کے ساتھ کسی قسم کی کوئی بات چیت نہیں کرنا چاہتی۔ ہاں البتہ ایسے افراد کو حکومت رہا کر دے گی جو اپنے کئے پر شرمندہ ہوں، اپنے فعل کی معافی مانگیں اور یہ حلف دیں کہ وہ آئندہ دہشت گردی اور تشدد کی کسی کاروائی میں ملوث نہیں ہوں گے۔

پر تشدد کاروائیوں کو روکنے کا مسئلہ

پر تشدد کاروائیوں کا جو تعارف میں نے اوپر دیا ہے اب میں پیش قدمی کے نام نہاد ان معاملات کو سوالات کی صورت میں دہراتا ہوں:

(الف) اسلامی گروپ کا ایک رکن اس پیش رفت کے بارے میں کیا خیال رکھتا ہے؟

(ب) پیش رفت کی تعریف کس طرح کی جاسکتی ہے؟

(ج) ایسی پیش رفت کے جواز میں کیئے جانے والے دلائل کس حد تک قابل یقین ہیں؟

(د) اس پیش رفت کے کیا اثرات ہوئے؟

اسلامی گروپ کے ممبر اس پیش رفت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ قارئین کو حیرانی ہوگی کہ میں نے اس فارمولا قسم کے سوال کے ساتھ آغاز کیوں کیا؟ میں نے یہ اس لئے کیا کہ اس سے حقائق زیادہ واضح طور پر منظر عام پر آسکتے ہیں اور یہ پیش رفت کی تحقیق میں زیادہ معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

1۔ اسلامی گروپ کے پہلے ترجمان جس نے سب سے پہلے پیش رفت کی وہ خالد ابراہیم تھے۔ انہوں نے اپنے مقدمے کی سماعت کے دوران جو اپریل 1996ء میں ہوئی یہ بات کی۔ وکیل مستنصر الزیات نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اس سے یہ بیان دلوانے کے بعد اسے اخبارات میں شائع کرا دیا۔ مستنصر الزیات نے اس وقت یہ موقف اختیار کیا کہ وہ تحریک سے وابستہ بیرونی ممالک میں مقیم ممبران ان کے رد عمل کا انتظار کر رہا تھا۔

2۔ بعد ازاں محمد عبدالعلیم نے اسلامی گروپ کے رہنماؤں کے ایماء پر 1997ء میں جیل میں اپنے ٹرائل کے موقع پر بیان جاری کیا۔ یہ مقدمہ بینکوں کو بم سے اڑانے کے بارے میں تھا جس میں اسے بطور ملزم نامزد کیا گیا تھا۔ دفاع کونسل میں ایک مرتبہ پھر مستنصر الزیات بھی شامل تھے۔ محمد عبدالعلیم نے اس موقع پر اسلامی گروپ کے رہنماؤں کی طرف سے متعدد بیانات جاری کئے۔ پہلے بیان میں محمد بن عبدالعلیم نے اعلان کیا کہ اسلامی گروپ کے اندرون ملک اور بیرون ملک تمام ارکان ملٹری آپریشن ترک کر دیں۔ نہ تو کسی جگہ حکومتی مشینری اور اہم ارکان پر حملے کئے جائیں اور نہ ہی اس قسم کے بیان جاری کئے جائیں جس سے گروپ کے ارکان متحرک یا مشتعل ہو کر ایسے حملوں پر آمادہ ہوں۔ دوسرے اعلان میں کہا گیا کہ کسی درست جواز کے بغیر مصر کے قدیم باشندوں (یعقوبی فرقے کے

عیسائیوں) پر حملہ کسی صورت جائز نہیں ہے۔تیسرے اعلان میں اس نے پہلے والے اعلان کو دوبارہ سختی سے دہرایا کہ ملٹری آپریشن روک دیئے جائیں اور حکومتی مشینری پر حملوں پر اکسانے والے بیانات پر کان نہ دھرا جائے اور اس نوع کی ترغیب دینے والوں کو نظر انداز کیا جائے اور یہ ترغیب چاہے اندرون ملک سے دی جائے یا بیرون ملک سے ایسا کوئی اشارہ آئے۔دونوں صورتوں میں اسے نظر انداز کیا جائے۔

اس نوع کے بیانات کے ساتھ ہی اس نے یہ اعلان بھی کیا کہ یہ بیانات حکومتی ایجنسیوں سے کسی سمجھوتے یا مفاہمت کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ یہ اعلان مسلمانوں کے مفادات اور اسلام کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے کئے جارہے ہیں اور اس سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو فائدہ ہوگا بلکہ اسلام کو بھی بطور دین فروغ ملے گا۔اس کے بعد امریکہ کی ایک جیل سے ڈاکٹر عمر عبدالرحمٰن نے ایک بیان جاری کیا جو درج بالا بیان کی تائید میں تھا۔دونوں بیانات ایک طرح کے تھے اور ایک دوسرے کی معاونت میں تھے ۔امریکہ سے آنے والے اس بیان کے بعد مصر میں موجود اسلامی گروپ کے رہنماؤں نے اس پر اپنا مثبت ردعمل دکھایا اور اپنے پانچویں بیان میں ایک مرتبہ پھر اپنے عزم کا اعادہ کیا۔بیان میں کہا گیا کہ لیمان طرۃ جیل میں موجودہ برادرز شیخ ڈاکٹر عمر عبدالرحمٰن کے اس بیان کا خیر مقدم کرتے ہیں جو انہوں نے ملٹری آپریشن روکنے کے لئے دیا ہے۔انہوں نے کہا کہ یہ بیان ایک روشن خیال ذہن اور جراءت کی عکاسی کرتا ہے کیونکہ انہوں نے ہمیشہ خون خرابے سے نفرت کی ہے اور امن کی راہیں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور جب اس نے مصیبت کے وقت اپنے خدا کو پکارا، خدا نے ضرور اس کی فریاد سنی ہے اور خدا نے ہمیشہ اسے انعام سے نوازا ہے۔ہم مصالحت کرانے والوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ اس کی جیل سے رہائی کی کوشش کریں۔

لیمان طرہ جیل میں بند اسلامی گروپ کے رہنماؤں نے جیل سے ملک کی معروف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں اور دیگر عوامی مقتدر شخصیات کے نام ایک تار بھیجا۔یہ تار اخبار ''الوفد'' میں شہ سرخی کے

ساتھ شائع ہوا۔تار کا متن کچھ اس طرح سے تھا۔''ہم لوگوں کو قتل عام سے بچانے کے لئے جنگ کو روک دینے کا اعلان کرتے ہیں۔ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہماری اس پیش رفت پر ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔ہم آپ سے تعاون کے خواستگار ہیں۔ہم ملک کے صدر اور حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس پیش رفت کا مثبت جواب دے''۔بعد ازاں لیمان طرۃ جیل میں موجود برادرز نے ڈاکٹر عمر عبدالرحمٰن کے بارے میں بیان سے دست برداری کا اعلان کیا۔اس پر میں اس وقت بات کروں گا جب عبدالرحمٰن کے بارے میں لکھوں گا۔

3۔ اسامہ رشدی نے 17 نومبر 1997ء کو الاقصر کے واقع میں ملوث ہونے اور بعد ازاں عدالت سے رہائی پانے کے بعد اس پیش قدمی کے بارے میں ایک بیان دیا۔اس نے اپنے بیان میں برادر رفاعی طٰہ کا بھی حوالہ دیا۔رفاعی طٰہ اسلامی گروپ کے ملٹری کمانڈر تھے۔یہ ردعمل دمشق سے براستہ قاہرہ چار ماہ قبل پہنچا۔میں الشرق الاوسط میں اسامہ رشدی کا انٹرویو پڑھا۔میں اس انٹرویو کے بارے میں یہاں بھی بتانا چاہتا ہوں کیونکہ اس انٹرویو کا اس منظر نامے سے تعلق ہے اور یہ اسلامی گروپ کے رہنماؤں میں خیالات میں آنے والی تبدیلی کی ایک اور سمت کو ظاہر کرتا ہے۔

اسامہ رشدی کے خیال میں ''شیخ عمر عبدالرحمٰن نے جہاد کے بارے میں اپنا نقطہ نظر اس لئے تبدیل کیا اور اپنی حمایت اس لئے واپس لی کیونکہ وہ اصل صورتحال سے بے خبر ہیں اور انہیں زمینی حقائق کا علم ہی نہیں ہے۔اس لاعلمی کی بنیادوں پر انہوں نے اپنا نقطہ استوار کیا ہے''۔اسامہ رشدی انٹرویو میں کہتا ہے کہ شیخ کو یہ معلومات ملی تھیں کہ ہزاروں لوگ ابھی تک جیلوں میں زیر حراست اور ان پر تشدد کیا جا رہا ہے۔شاید رابطوں میں کمی کی وجہ سے اس تک صحیح صورتحال نہ پہنچی ہو۔اسامہ رشدی کے خیال میں معلومات کی کمی کی وجہ سے شیخ نے پیش قدمی بارے میں دیئے جانے والے بیان سے براءت کا اظہار کیا ہے رشدی نے تسلیم کیا کہ مصر میں صورتحال بہت خراب ہے اور حکومت ابھی تک وہی پرانے حربے زیادہ شدت سے استعمال کر رہی ہے۔

اسامہ رشدی کہتا ہے ’’جہاں تک ملٹری آپریشن روک دینے کا تعلق ہے تو اسلامی گروپ میں زیادہ روشن خیال رہنما زیادہ مایوسی اور احساس محرومی کا شکار ہیں کیونکہ حکومت کسی طور پر اسلامی گروپ کے خلاف ایکشن لینے سے باز نہیں آرہی۔ جیلوں میں انسانی حقوق کی شدید ترین خلاف ورزیاں دیکھنے میں آرہی ہیں اور قیدیوں اوران کے خاندانوں کے ساتھ بدترین تشدد کیا جارہا ہے۔

اسامہ رشدی اپنے انٹرویو لفظ ’’استحقاق‘‘ استعمال کرتا ہے، یہ ایک عجیب لفظ ہے اور مجھے اس کا علم نہیں کہ اس کا اس لفظ سے کیا مطلب ہے۔ رشدی یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارے بھائیوں کو جیل میں بدترین تشدد کا سامنا ہے۔ انہیں تفتیشی کیمپوں میں رکھ کر ان پر اذیتوں کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اور انہیں ہر قسم کے قانونی حقوق سے محروم کیا جاتا ہے۔ انٹرویو لینے والے نے رشدی سے پوچھا ’’کیا سات ہزار قیدیوں کو پولیس کی حراست سے آزاد کرنا ایک مثبت نتیجہ نہیں ہے‘‘ اس پر رشدی نے جواب دیا ’’یہ اعداد وشمار قابل قبول نہیں ہیں، اس کے علاوہ ہزاروں ارکان ایسے ہیں جن کو مقدمہ چلائے بغیر یا ایف آئی آر درج کئے بغیر جیلوں میں اور عقوبت خانوں میں ڈالا گیا ہے ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ انہیں جیلوں میں سڑتے ہوئے دس، دس سال سے بھی زائد کا عرصہ ہو چلا ہے‘‘۔

نہ جانے کیوں اسامہ رشدی نے بھی انہی اعداد شمار کا حوالہ دیا جو اعداد وشمار شیخ نے پیش قدمی واپس لینے کے اعلان پر کئے تھے۔ ایک طرف تو اسامہ رشدی، شیخ کے اعداد شمار کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ اسے درست معلومات نہیں ملیں جبکہ دوسری طرف اسامہ رشدی خود بھی شیخ کے بیان کردہ اعداد وشمار کا حوالہ دیتا ہے۔ نہ معلوم کیوں اسامہ رشدی خود بھی شیخ کے بیان کردہ اعداد شمار کا حوالہ دیتا ہے۔ نہ معلوم کیوں اسامہ رشدی نے ایسا کیا؟ کیونکہ ایک سوال کے جواب میں خود بھی جیلوں میں موجود ہزاروں قیدیوں اوران پر تشدد کی بات کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ ان قیدیوں اوران کے اہل خانہ کو ہر قسم کی قانونی امداد سے جو کہ ان کا حق ہے، محروم رکھا جارہا ہے۔ رشدی کے خیال میں مصری حکومت کو شیخ عبدالرحمٰن کے بیان کردہ مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ رشدی کے خیال میں میرا یہ یقین ہے کہ شیخ عبدالرحمٰن کے

حوالے سے مصری حکومت کو اپنے جرم کا احساس ہے کہ اس نے شیخ کے امریکی جیل میں انسانی حقوق کا خیال نہیں رکھا۔حکومت مصر کو کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیے کیونکہ شیخ بہرحال ایک مصری باشندہ ہے۔وہ نہ صرف ایک مسلم اسکالر ہیں بلکہ جامعہ الازہر کے پروفیسر ہیں اور آخری بات یہ کہ وہ بصارت سے محروم اور بیمار بوڑھے آدمی ہیں۔ان کو حراست اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہر سطح پر ایک مستقل تناؤ کو جنم دیتا رہے گا۔

انٹرویو لینے والے نے اسامہ رشدی سے استفسار کرتے ہوئے کہا''آپ کے خیال میں اس کی کیا ضمانت ہے کہ اگر مصری حکومت امریکہ سے کہہ کر اسے رہائی دلواتی ہے تو شیخ مصر کے لئے ہی خطرہ نہ بن جائیں گے؟''۔رشدی نے جواب دیا''ہم یہ بات جانتے ہیں کہ شیخ نے ہمیشہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں پر انحصار کیا ہے،میرے خیال میں شیخ رائے عامہ کے خلاف نہیں جائیں گے اور نہ ہی عدم تشدد کی پیش رفت کے خلاف کوئی اقدام کریں گے تاہم ان کی مصر میں واپسی سے مصر میں امن وامان کی صورتحال مزید بہتر ہو جائے گی اور اس سے اسلام پسندوں کے غصے اور تناؤ کی ایک بڑی وجہ ختم ہو جائے گی۔اس سے عالمی سطح پر پیدا ہونے والی بے چینی اور کھچاؤ بھی ختم ہو جائے گا''۔

اسامہ رشدی نے اپنے انٹرویو میں ایک سودے بازی کی تجویز دی جس سے اس کے خیال میں شیخ کی رہائی سے خطے کا امن لوٹ آئے گا اور شیخ اسلامی گروپ کے مشترکہ مؤقف سے بھی اتفاق کریں گے۔(یہ مشترکہ موقف عدم تشدد کے فلسفے پر مشتمل تھا)

مجھے یہ اتفاق رائے کہیں بھی نظر نہیں آتا کیونکہ عمر عبدالرحمٰن اور رفاعی طٰہٰ جیسے فکر کے بلند درجہ لوگ اس پیش قدمی کی مخالفت کریں گے۔مجھے ستمبر 1983ء کے پہلے ہفتے میں ہونے والا وہ واقعہ یاد ہے جب آج سے 17 سال قبل جب شیخ عمر عبدالرحمٰن کمرہ عدالت میں بڑے استقلال اور ثابت قدمی سے کھڑا تھا اور جج سے کہہ رہا تھا''میں ایک مسلمان ہوں،جو اپنے مذہب کے لئے زندہ رہتا ہے اور اسی کے لئے اپنی جان بھی گنوا دیتا ہے،میں کبھی خاموش نہیں رہ سکتا اور اس صورتحال میں تو میں بالکل علیحدہ

ہو کر نہیں بیٹھ سکتا جب تک اسلام کی جنگ تمام محاذوں پر لڑی جا رہی ہو‘‘۔

اسامہ رشدی نے تب ریاست اور لوگوں کا اس طرح موازنہ کیا کہ مصری ریاست ایک باپ کی طرح ہے جبکہ اس کے عوام اس کی اولاد ہیں۔ یہ ایک طرح سے نیا رشتہ تھا اور اس سے ایک نیا نظریہ اخذ کیا جا رہا تھا۔تب اس نے یہ اشارہ دیا کہ اسلامی گروپ کو مصری قوانین اور آئین کا وفادار رہنا چاہیے۔اسامہ سے انٹرویو کرنے والے صحافی نے سوال کیا ’’اسلامی گروپ مصر کے آئین اور قوانین سے وفاداری کے اظہار کے لئے کیا ضمانت دے گا اور کس طرح پتہ چلے گا کہ اسلامی گروپ مصری قانون کے تابع ہے اور اس کا احترام کرتا ہے؟‘‘۔

اسامہ رشدی نے اس سوال کا جواب ایک ایسے سیاستدان کی طرح دیا جو مذاکرات کے دروازے کسی طور بھی بند نہ کرنا چاہتا ہو’’ہمارے بھائی جیلوں میں بدترین تشدد کو برداشت کر رہے ہیں، کچھ جلاوطنی کی سزا بھگت رہے ہیں اور کچھ کو دور دراز جیلوں میں سڑنے کے لئے ڈال دیا گیا ہے۔وہ ہر قسم کی قانونی اور سیاسی امداد سے محروم ہیں۔آپ اس موجودہ صورتحال میں ان سے کسی قسم کی ضمانت کی بات نہیں کر سکتے۔ پہلے آپ مجھے میرا حق لوٹائیے اور پھر مجھ سے ضمانت طلب کیجئے‘‘۔

اسلامی گروپ کے ایک ترجمان نے لیبیا کے ایک میگزین کو جس کی شہرت لیبیا کے ایک متحارب اسلامی اتحاد کے ترجمان کی سی ہے، کو یہ بیان جاری کیا کہ یہ پیش رفت ایک قانونی ضرورت ہے۔اس کا ایک مقصد ہے جو کہ آنے والے دنوں میں پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلامی گروپ اپنے عقیدے سے دستبردار ہو جائے گا اور نہ ہی یہ جہاد کے نظریے کے خلاف کوئی تضاد ہے۔ یہ جتانے کی کوشش نہیں کہ اسلامی گروپ برسراقتدار حکومت کو تسلی دے رہا ہے یا یہ کہ اس طرح گروپ حکومت کی پالیسیوں کی منظوری دے رہا ہے یا انہیں قبول کر رہا ہے۔اب ایسا کوئی نکتہ نہیں ہے کہ مسلح آپریشن جاری رکھے جائیں۔اسلامی گروپ کو اپنے دفاع کے لئے مسلح آپریشن کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ایک نئ پالیسی کی تشکیل کی ضرورت ہے،اس امید پر کہ حکومت اپنے حملے ختم کردے گی۔اگر حکومت اس پر اپنا ردعمل ظاہر نہیں کرتی تو آپریشن دوبارہ شروع کرنے کے دروازے کھلے ہیں جو جماعت آپریشن کے دروازے بند کرے گی وہ مناسب جواب نہ ملنے پر دوبارہ آپریشن بھی شروع کرسکتی ہے۔حکومت کی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے یہ کامیابی حاصل کی ہے کہ انہوں نے ''دہشت گردوں'' کے مالی ذرائع ڈھونڈ کر انہیں ختم کردیا ہے۔اسلامی گروپ کی رائے حکومت کے اس ایکشن پر وکالت کرتی ہے۔ان پالیسیوں نے اسلامی گروپ سے معاملہ طے کرنے میں اپنی اثر انگیزی کو ثابت کردیا ہے۔اب یہ توقع کی جارہی ہے کہ حکومت اب جلد ہی محسوس کرے گی کہ اسلام پسندوں اور عام آدمی کی گردن سے اب دباؤ اور تشدد کی زنجیر اتارنے کی ضرورت ہے۔اسلامی گروپ کے پاس اختیار ہے کہ وہ مسلح آپریشن روکنے کے بارے میں فیصلہ کرسکے۔یہ اسلامی گروپ کو اپنا نقطہ نظر تبدیل کرنے سے نہیں روک سکتا۔موجودہ حقائق اسلامی گروپ کو ہرگز یہ اجازت نہیں دیتے کہ وہ حکومت کے ساتھ تصادم جاری رکھیں۔پہلے پہل یہ امید کی جارہی تھی کہ شاید یہ پیش قدمی نتیجہ خیز ہوسکتی ہو لیکن بعدازاں یہ امیدیں بر نہ آسکیں اور ان امیدوں پر اوس پڑ گئی۔اسلامی گروپ کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان اپنے خیراتی سماجی بھلائی کاموں کے ساتھ موجود رہے۔

ایک گروپ اگر کچھ عرصے کیلئے جہادی سرگرمیوں سے ہاتھ اٹھالیتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نے مکمل طور پر اپنے مذہبی فریضے سے روگردانی کی ہے۔گروپ کے کچھ رہنماؤں کے خیال میں یہ پیش قدمی فضول ہے لیکن یہ اکثریت کی رائے ہے جس کی پیروی کی جارہی ہے۔

ڈاکٹر عمر عبدالرحمٰن نے ایک بیان دیا کہ ''اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے تمام آپریشن روک دیئے جائیں تاہم جون 2000ء میں ڈاکٹر نے جیل سے ایک بیان دیا جسے اس کے وکیل نے جاری کیا کہ شیخ عمر عدم تشدد کی پیش قدمی کی حمایت سے دستبردار ہونے کا اعلان کرتے ہیں کیونکہ اس سے اسلام پسندوں کو کوئی مثبت جواب یا فائدحاصل نہیں ہوا۔وکیل لائن اسٹیوارٹ نے کہا کہ شیخ کہتے

ہیں'' کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ہے اور لوگ ابھی تک جیلوں میں زیر حراست ہیں۔ ملٹری ٹریبونلز ابھی تک لوگوں کے مقدمات کی سماعت کر رہے ہیں اور ابھی بھی لوگوں کو سزائے موت سنائی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن کا صورتحال کا واضح تجزیہ دراصل رہنماؤں کا لیمان طرۃ جیل سے جاری ہونے والے تیسرے بیان کا واضح تھا، جس میں انہوں نے کہا کہ وہ اپنے اس بیان پر قائم ہیں کہ مسلح آپریشن بند کئے جائیں اور کوئی ایسا بیان اندرون ملک یا بیرون ملک جو اس نوع کے آپریشن کی ترغیب دے وہ غلط ہے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ یہ اعلان حکومتی ایجنسیوں سے کسی مفاہمت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں اور شریعت کے مفاد میں ہے۔

متعدد ایام کے بعد مستنصر الزیات نے اپنے دفتر میں ایک پریس کانفرنس بلائی جس میں اس نے شیخ عبدالرحمٰن کے اس بیان کے بارے میں جو اس کی وکیل نے اخبارات کو دیا تھا شکوک وشبہات پیدا کر دیئے۔ اس نے صحافیوں کو شیخ عبدالرحمٰن کا وہ خط دکھانے سے انکار کر دیا جو مبینہ طور پر انہوں نے لیمان طرۃ جیل میں قید اسلامی رہنماؤں کے نام لکھا تھا۔ الزیات نے صحافیوں کو بتایا کہ جیل میں قید اسلامی رہنماؤں نے شیخ عمر کے نام ایک پیغام ارسال کیا ہے جس میں انہوں نے امن کی پیش رفت بارے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے اور اس خط پر درج ذیل رہنماؤں کے دستخط ثبت ہیں۔ ان میں ناجح ابراہیم وعلی الشریف، عصام در بالا وحمدی عبدالرحمٰن، فواد الدوالی، کرم زہدی اور عاصم عبدالماجد شامل تھے۔ الشرق الاوسط اخبار نے اس خبر کو بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ عبود الزمر نے اس خط پر دستخط نہیں کئے تھے۔

ایک ہفتے سے بھی کم مدت کے دوران اخبارات نے شیخ عمر عبدالرحمٰن کا بیان شائع کیا جو انہوں نے گروپ کے رہنماؤں کے جواب میں دیا تھا۔ الشرق الاوسط نے اس کو یوں رپورٹ کیا: مصر کے سب سے بڑے بنیاد پرست گروپ اسلامی گروپ کے روحانی پیشوا عمر عبدالرحمٰن نے امن کیلئے پیش رفت کی حمایت واپس لے لی ہے۔ امن کے لئے پیش رفت اور مسلح آپریشن روک دینے کا اعلان اسلامی جیل

میں قید رہنماؤں نے کیا تھا۔ عمر عبدالرحمٰن نے کہا کہ اب وہ اس امن کے لئے کی جانے والی پیش رفت کی حمایت نہیں کرتے''۔ مجھے بتایا گیا کہ میری امریکی وکیل نے میری طرف سے ایک بیان دیا تھا، میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ بیان درست تھا اور میں نے ہی دیا تھا۔ میں نے امن کے لئے پیش رفت کو منسوخ نہیں کیا لیکن میں نے اس کی حمایت واپس لے لی ہے اور اب میں نے یہ اپنے ساتھیوں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اس بحث و تمحیص کا آغاز کریں اور فیصلہ کریں کہ یہ پیش رفت کس حد تک فائدہ مند ہے۔ عمر عبدالرحمٰن نے علی الاعلان کہا کہ تمام بیانات جو میرے نام سے منسوب کر کے شائع کئے گئے وہ درست تھے اور انہیں میں نے ہی جاری کیا تھا۔

یہاں یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ کچھ توقف کیا جائے اور ان آسانیوں اور سہولتوں کو ایک نظر دیکھا جائے جو مستنصر الزیات حکومت کے زیر انتظام عمل میں لاسکتا تھا۔ قیدیوں سے ملاقات پر چار سال تک لے لئے پابندی عائد کر دی گئی۔ متعدد قیدیوں کو جیل کے اندر ہی تشدد کر کے ہلاک کر دیا گیا اور امام مسجدوں اور تبلیغ کرنے والوں کو قانون کے آرٹیکل 201 کے تحت پابند کر دیا کہ وہ حکومت اور انتظامیہ کے فیصلوں اور قوانین کے خلاف احتجاج نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی قسم کی آواز بلند کر سکتے ہیں۔ ملک آہستہ آہستہ ایمرجنسی قوانین کے تحت کمزور ہو رہا ہے۔ متعدد ممالک میں سے نوجوانوں کو اغوا کیا جا رہا ہے اور انہیں واپس مصر لایا جا رہا ہے۔ حکومت ان کی واپسی کو مہینوں چھپاتی ہے۔ حکومت نے احمد سلامہ اور عصام محمد حافظ کے کیس میں ایسا ہی کیا۔ کبھی کبھار حکومت یہ بھی چھپالیتی ہے کہ کس ملزم کے ساتھ حکومت کیا کرنے جا رہی ہے؟ جیسا کہ حکومت نے طلعت فواد اور برادر محمد الظواہری کے کیس میں کیا جبکہ یہ سب کچھ جاری ہے۔ اس صورتحال میں مستنصر الزیات نے لیمان طرہ جیل کا دورہ کیا اور وہاں اسلامی گروپ کے رہنماؤں سے ملا اور انہیں عمر عبدالرحمٰن کا ایک خط تقسیم کیا اور اس خط کے جواب میں اس نے ان کا ردعمل حاصل کیا اور ان سے شیخ عمر کے لئے ایک خط بھی حاصل کیا۔ وہ اسی روز جیل سے لوٹا اور آتے ہی اخبارات سے رابطہ کیا اور انہیں اس بیان کے بارے میں بتایا جو جیل میں قید

رہنماؤں سے لیا گیا تھا۔اس نے اخبارات کواس خط کے بارے میں بھی اسٹوری فراہم کی جواس نے ان رہنماؤں سے شیخ عمر کے لئے حاصل کیا تھا،اس کے بعداس نے ایک پریس کانفرنس کی (ذرااس کی ہوشیاری کا اندازہ لگایئے !!)اوران خطوط پراپنے خیالات کا اظہار کیا۔اس نے صحافیوں کواس خط کا مضمون بتانے سے انکارکردیا جوشیخ عمر کے لئے جیل میں بندرہنماؤں سے حاصل کیا گیا تھا۔اس خط کے مواد بارے امریکی خفیہ ایجنسیاں اور دوسری خفیہ ایجنسیاں جانتی تھیں کیونکہ خط میں موجودمواد بارے انہیں ایک بریفنگ دی گئی تھی اور خط بھی دکھایا گیا تھا تاہم مصری عوام کے بارے میں فرض کیا گیا کہ انہیں اس خط میں موجود سچی باتوں بارے آگاہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

کیا یہاں آپ کوتھوڑا توقف نہیں کرنا چاہیے؟ سوچیے اور پوچھیے ! کیوں؟ مستنصرالزیات جب اپنی اس برتر حیثیت سے لطف اندوز ہورہا تھا کہ نیویارک شہر کے اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ اٹارنی پیٹرک نے شیخ کی وکیل لائن اسٹیوارٹ کوایک خط ارسال کیا۔یہ خط اس نے شیخ کا دفاع کرنے والی ساری ٹیم کے ارکان کوتحریر کیا تھااوراس خط میں اس نے ان سب پرتحریری حکم نامے کے ذریعے شیخ سے ملاقات یافون پر بات کرنے پر پابندی عائد کردی تھی۔یہ اس وقت ہواجب لائن اسٹیوارٹ نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی تھی۔اس نے یہ پریس کانفرنس شیخ کی درخواست پر بلائی تھی۔جب صحافی اکٹھے ہوئے تو اس نے پرہجوم پریس کانفرنس میں انکشاف کیا تھا کہ شیخ نے مسلح آپریشن ختم کرنے والا اپنا بیان واپس لے لیا ہے۔ذراملاحظہ کیجئے کہ مصراورامریکہ کے موقف میں کتنی ہم آہنگی ہے۔

رفاعی احمد طٰہ نے بھی اس پیش رفت بارے تبصرہ کیا۔اس نے اسے مسترد کردیا تھاجب پہلے پہل شیخ نے مسلح جدوجہد کوروک دینے کا اعلان کیا تھا۔اس نے اخبار''الشرق الاوسط'' کو بتایا کہ اسلامی گروپ کے روحانی پیشواعمرعبدالرحمٰن جوکہ امریکی جیل میں زیرحراست ہیں،ان کے بارے میں بات کرنے اور دھمکیاں دینے کی پالیسی ختم ہوچکی ہے،ہم امریکہ سے اس زبان میں بات کریں گے جو زبان ہوبخوبی سمجھتا ہے،ہم ان زنجیروں کوتوڑکرانہیں رہا کروالیں گے۔میرا یقین ہے کہ ایسا وقت جلد

آ رہا ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ اگر اسلامی گروپ نے ماضی کی غلطیاں دہرائیں تو اس پر طٰہٰ نے کہا تمہارا سوال اگر میں صحیح سمجھا ہوں تو یہ ہے کہ اسلامی گروپ نے اپنا طریقہ کار تبدیل کر لیا ہے اور اپنی ماضی کی غلطیاں دہرا رہا ہے تو میرا جواب یہ ہے کہ "اسلامی گروپ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس سے ماضی میں کوئی غلطیاں نہیں ہوئیں، یہ ان کی طرف سے جہاد کا اعلان ہو یا کچھ اور اسلامی گروپ نے کوئی غلطی نہیں کی۔

مستنصر الزیات نے فوری طور پر ایک پریس کانفرنس بلائی جس میں اس نے احمد طٰہٰ کی باتوں کا جواب دیا۔ مستنصر الزیات نے کہا "اسلامی گروپ کے رہنما طٰہٰ کا بہت احترام کرتے ہیں اور گروپ کے مختلف اموراور ذمہ داریوں کی انجام دہی میں ان کے کردار کو سراہتے ہیں لیکن فی الوقت اس نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، یہ اس کے اپنے ذاتی خیالات ہیں۔ انہیں پورے اسلامی گروپ کے خیالات پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔

الزیات نے یہ بات نوٹ کی کہ گروپ کے اہم فیصلے مصر کی جیلوں میں موجود اس کے رہنما کرتے ہیں اور ان فیصلوں میں ملک گروپ کی شوریٰ کونسل کو بھی شریک کیا جاتا ہے جس کی صدارت مصطفیٰ حمزہ کرتے ہیں۔ اس نے محسوس کیا کہ اس طرح کا طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے کہ تمام اہم فیصلے باہم پیغام رسانی کے ذریعے اتفاق رائے سے کیے جاتے ہیں۔

کرم زہدی نے بھی اس پیش رفت پر تبصرہ کیا۔ ایک پریس کانفرنس میں مستنصر الزیات نے یہ کہتے ہوئے کرم زہدی کا حوالہ دیا "اگر جنگ اور مسلح مزاحمت بھی اسلامی گروپ کو اس کے مقاصد کے حصول میں مددگار ثابت نہیں ہوتی تو پھر آپریشن کے دیگر طریقے استعمال کر کے دیکھے......۔ اگر یہ بیان واقعی کرم زہدی کی طرف سے آیا تھا تو اس کا یہ مطلب تھا کہ اسلامی گروپ جنگ کو آپریشن کے ایک طریقے کے طور پر مسترد کر رہی ہے اور مسلح آپریشن کے بارے مصر کے اندر اور باہر اپنی وکالت کو خود ہی مسترد

کر رہی ہے۔ یہ کس چیز کے تبادلے میں کیا گیا۔ اس کا متبادل کیا ہے؟ کیا یہ اسلامی گروپ کا جہاد کے متبادل یا جہاد کی ترغیب کا کوئی طریقہ ہے۔

منتصر الزیات بھی اسلامی گروپ کے نام پر بیان بازی کرتا رہا۔ جب ہم اس شخص کے بارے میں بات کریں تو ہمیں متعدد باتوں کو اس دوران ذہن میں رکھنا ہوگا۔

(الف): منتصر الزیات ایسا شخص ہے جو مصری حکومت، یہودی لابی اور امریکہ کے خلاف مسلح جدوجہد کے نظریے کی نفی کرتا رہا۔ عبدالحلیم موسیٰ کے وزارت داخلہ کے عرصے میں منتصر الزیات نے اس مسئلے بارے میں ہر قسم کی پیغام رسائی اور ابلاغ میں حصہ لیا۔

(ب) کوئی بھی غیر جانبدار منتصر الزیات کے اس خصوصی عہدے اور اختیار کو نوٹ کر سکتا ہے جو بڑے بڑے وزیروں کو نصیب نہیں ہوا، وہ جس دن چاہتا ملک بھر میں موجود تمام تر سیکورٹی انتظامات کو عبور کرتے ہوئے ہوئے کہیں بھی کسی جیل میں پہنچ سکتا تھا۔ وہ جیل میں جا کر خطرناک ملزموں اور حکومت کے سخت مخالفین کے ساتھ مذکرات کرنا تھا۔ اس دوران وہ انہیں باہر کی دنیا سے آنے والے پیغامات دیتا اور ان سے باہر کی دنیا کے لئے پیغامات وصول کرتا تھا، پھر وہ ان پیغامات کو وسیع تر مقاصد کے حصول اور پراپیگنڈہ کے لئے اخبارات کو جاری کرنے کے لئے پریس کانفرنسوں کا انعقاد کرتا۔ اس کا اعلان تھا کہ وہ جیل میں بند اسلامک گروپ کے رہنماؤں کا ایجنٹ ہے۔ وہ اپنی اسی حیثیت میں ریڈیو اور مختلف ٹیلی ویژن چینلوں کو انٹرویو دیتا۔

درحقیقت منتصر الزیات جیل میں بند رہنماؤں اور بیرونی دنیا میں موجود اسلامی گروپ کے رہنماؤں کے درمیان رابطہ تھا۔ جیل سے جو بھی بیان آتے یا جیل میں بند لیڈروں کو جو کچھ بھی بتانا ہوتا ،اس کا انحصار منتصر الزیات پر تھا۔ وہ جو کچھ بتاتا، اسے ماننا ہی پڑتا کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ منتصر الزیات کی تمام حرکات وسکنات اور کوششوں کو جیل میں بند رہنماؤں کی حمایت حاصل تھی اور اسی پشت پناہی کی وجہ سے وہ ان کی اتھارٹی بھی استعمال کرتا تھا۔ اتھارٹی کے استعمال کے بہت

سے مظاہرے متعدد موقعوں پر دیکھنے میں آئے۔

5 جنوری 1998ء کو الزیات نے اعلان کیا کہ وہ اپنی اس سیاسی مصروفیات سے مکمل ریٹائرمنٹ لے رہا ہے۔اب وہ جیل میں بند مذہبی رہنماؤں کی مزید ترجمانی نہیں کرے گا۔اس نے اس ریٹائرمنٹ کی وجوہات یہ بیان کیں کہ ملک سے باہر اسلامی گروپ کے رہنما ہر وقت اسے نیچا دکھانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں اور انہوں نے تشدد روکنے کے اس فارمولے کا بھی کوئی مثبت جواب نہیں دیا۔اس موقع پر اس نے ایک بیان جاری کیا کہ ابھی تک میرے ملک میں تشدد کی حکمرانی اور ابھی تک سیاسی موسم بھی پیچیدہ ہے۔میں نے دوسرے لوگوں کے باہم اشتراک سے تشدد کے خاتمے اور امن کے فروغ کے لئے ایک کوشش کی تھی تاکہ خون خرابے سے بچا جاسکے، میں کبھی کرائے کا وکیل نہیں رہا، جس نے رقم لے کر وکالت کی ہو لیکن میں نے اسے ایک پیغام کے طور پر سرانجام دیا۔میں اس بارے میں بہت سے لوگوں سے بحث ومباحثہ کرتا رہا ہوں اور خاص طور پر میری گفتگو لیمان طرہ جیل میں سزائے موت کے منتظر قیدیوں سے ہوتی رہتی ہے۔یہ قیدی صدر سادات کے قتل کے مقدمے میں ملوث تھے۔

صدر سادات کے قتل میں ملوث قیدیوں سے میری امن کے موضوعات پر بڑی طویل نشستیں ہوئیں لیکن یہ تمام نشستیں بموں کے دھوئیں اور گولیوں کی آوازوں میں دب کر رہ گئیں، جس مقصد کے ساتھ میں نے اپنے کام کا آغاز کیا تھا اور جس مقصد کے حصول کے لئے میں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ وقف کئے رکھا وہ ابھی تک لوگوں پر واضح نہیں ہوسکا حالانکہ میں نے اس دوران بہت زیادہ دباؤ برداشت کیا اور میں اس دوران کانٹوں پر چلتا رہا۔

میں نے 20 سال تک بارودی سرنگوں کے اوپر سفر جاری رکھا۔اس دوران میں حکومت اور مذہبی رہنماؤں کے مابین فٹ بال بنا رہا اور بری طرح پھنسا رہا۔اپنے مقاصد خود مجھ پر بڑے واضح تھے۔میں جب 1984ء میں جیل سے رہا کیا گیا تو تب سے لے کر اب تک میرا کام میری تقاریر سب کچھ

مجھ پر واضح ہے۔

مستنصر اپنے بیان میں مزید کہتا ہے ''میں ملک سے باہر اسلامی گروپ کے رہنماؤں کی نادانی کی وجہ سے سخت مصیبت میں پھنسا رہا۔ ان رہنماؤں میں جراءت کا فقدان ہے کہ وہ مسلح جدوجہد کے بارے میں کوئی متفقہ قرارداد پاس کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور نہ ہی ان میں یہ قابلیت ہے کہ وہ ایکشن کے کوئی نئے طریقے ڈھونڈ سکیں۔ ہر نظریے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے نئے طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ ہر نظریے کی اپنی حکمت عملی ہوتی ہے۔ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود تشدد کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے کیونکہ اس میں ہمیشہ معصوم افراد کی جانیں تلف ہوتی ہیں جیسا کہ الاقصر کے واقعہ میں ہوا۔

مستنصر الزیات کے بیان کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ جہادی تحریک سے ذہنی اور نظریاتی طور پر وابستہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ جہادیوں کے اس نقطہ نظر سے اتفاق کرتا ہے کہ مسائل کا حل جہاد کے طریقے میں مضمر ہے۔ وہ جہاد کو بطور طریقہ استعمال کرنے کے حق میں نہیں ہے وہ بیان کرتا ہے کہ اس نے تشدد کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس کا بیان ظاہر کرتا ہے کہ وہ جہاد کو تشدد سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے امن بحال کرنے کی کوششیں کیں لیکن یہ کوششیں بارود کے دھوئیں کی نذر ہو گئیں۔

باب نمبر 8

مسلم برادرز (ایم بی) نامی تنظیم بطور ایک تنظیم کے پھل پھول رہی ہے لیکن جہاں تک اس کے نظریات کا تعلق ہے، یہ نظریاتی طور پر اور سیاسی لحاظ سے خودکشی کی جانب گامزن ہے۔ایم بی کی تاریخ غلطیوں اور ناکامیوں سے بھری پڑی ہے۔اس پر میں نے ایک کتاب تحریر کی جس کا عنوان تھا ''مسلم برادرز کے 60 سال''۔اس پر مجھے مسلم برادرز کے حلقوں میں شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کتاب میں ایم بی کے بانی افراد کی تذلیل کی گئی ہے اور ایم بی کے رہنما شیخ حسن البناء کی بھی بے عزتی کی گئی ہے۔میری وہ کتاب دراصل ایک انسان کے اندازوں اور قیاس پر مشتمل ہے جو کہ غلط بھی ہو سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ایم بی جدید عہد کی سب سے بڑی اسلامی تحریک ہے۔یہ عرب دنیا میں قائم ہونے والی پہلی تحریک ہے۔ایم بی نے زبردست مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود پھیلاؤ اور وسعت کا عمل جاری رکھا۔اس کے باوجود کہ ایم بی کی راہ میں حالات وواقعات نے روڑے اٹکائے ،اس کا راستہ روکا گیا لیکن ان تمام تر مصائب وآلام کے باوجود اس میں وسعت کا عمل جاری رہا لیکن اب ایم بی مسلم دنیا اور مصر میں جس مقام تک پہنچ گئی ہے اب اسے ذرا رک کر اپنا جائزہ لینا ہوگا کہ اس کے قیام سے اب تک اس نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ قیام سے اب تک پورے عمل کے ایک جائزے کی ضرورت ہے۔میں قبل ازیں بھی یہ بات کہہ چکا ہوں اور اب پھر میں کہتا ہوں کہ تنظیمی طور پر اس میں روز بروز وسعت آتی جا رہی ہے لیکن نظریاتی طور پر اور سیاسی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ خودکشی کر رہی ہے۔

ایم بی کی سیاسی خودکشی اور نظریاتی موت کی جانب بڑھنے کے عمل کا آغاز اس وقت ہوا جب ایم بی نے 1987ء میں صدر مملکت حسنی مبارک کے ساتھ وفاداری کا عہد کیا۔ یہ سال ایم بی کی سیاسی خودکشی کے نقطہ آغاز کا سال تھا۔ گویا ایم بی نے حسنی مبارک سے وفاداری کا عہد کرکے اپنا سارا شاندار ماضی جدوجہد اور قربانیوں سے عبارت ماضی بھلا دیا۔ اس ماضی میں شہداء کا خون تھا، قیدیوں کے گھاؤ تھے جو انہوں نے اپنے نظریات کے لئے اپنے جسم پر سہے۔ حکومتی تشدد سے تنگ آ کر کسی علاقے میں محصور ہونے والوں کے درد تھے لیکن ایم بی نے سب کچھ بھلا دیا، نہ صرف یہ بلکہ ایم بی اپنے عقیدے اور اپنے اصولی موقف سے بھی پھر گئی۔ ایم بی اپنی تاریخ سے روگردانی کر رہی ہے۔ ایم بی ایک ایسی نسل پیدا کر رہی ہے جو صرف عالمی صورتحال کے بارے میں سوچے گی اور یہ سلسلہ مستقبل میں بھی جاری رہے گا۔ یہ تھی ایک اہم وجہ جس کے لئے کتاب ''ایم بی کے 60 سال'' تحریر کی گئی۔

کتاب کو شائع ہونا تھا کہ ایک طوفان اُمڈ آیا۔ مجھ پر تنقید کے نشتر چلائے۔ طعن زنی کے طومار باندھے گئے۔ میرے کچھ بھائیوں نے مجھے کہا کہ چند باتیں کہا کہ چند باتیں ایسی تھیں جو اس کتاب میں نہیں جانی چاہئیں تھیں۔ کچھ نے اس کتاب کو سراہا، انہیں میرے ساتھ اور ایم بی کے ساتھ اپنے ذاتی اور تنظیمی تعلق پر فخر ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ یہ کتاب لکھنا ایک غیر منصفانہ کام ہے کیونکہ اس میں ایم بی کی صرف غلطیاں درج کی گئی ہیں جبکہ اچھی باتیں تحریر نہیں کی گئیں حالانکہ ایم بی کی فہرست میں متعدد کارنامے اور اچھے کام بھی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے شیخ حسن البناء کی توہین کی ہے۔ یہ بات نامناسب ہے، کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی پر اس نوع کے نامناسب الزامات عائد کرے۔ کون اسلامی تحریک سے وابستہ رہا اور کون شیخ البناء کی خوبیوں سے زیادہ واقف ہے؟ میں نے ان پر اپنا درج ذیل ردعمل ظاہر کیا۔

(الف) یہ کتاب ایک انسان نے اپنی فہم کے مطابق تحریر کی ہے۔ اسے انسانی غلطیوں سے پاک نہیں کہا جا سکتا کیونکہ انسانی اندازوں میں غلطی کی گنجائش موجود ہوتی ہے اور غلطیاں انسان کی اپنی

کوتاہی بھی ہو سکتی ہے۔

(ب) آپ بھی مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ایم بی نے شدید غلطیاں کی ہیں اور یہ غلطیاں جرائم کے مترادف ہیں اور ان جرائم کی سزا ملنی چاہیے۔ انہوں نے بہت سے اچھے کام بھی کئے ہیں اور یہ اچھے کام ان کو اولیاء کے مرتبے پر فائز کرتے ہیں۔ میں اس امر کا منتظر رہا کہ ایم بی اپنی غلطیوں کی اصلاح کرے اور یہ نشان دہی میں نے نوجوان نسل کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کے لئے کی کیونکہ میں نے ان کی جانب سے ہمیشہ تنقید ہی وصول کی جو وہ اپنے ذاتی جلسوں میں مجھ پر کرتے رہے ہیں۔

(ج) میری کتاب ایم بی کا کوئی حتمی جائزہ نہیں ہے۔ اس لئے اس میں ان کے اچھے کاموں پر نہیں لکھا گیا۔ یہ اس لئے کہ کتاب کا عنوان کوئی اس طرح کا نہیں تھا کہ ''مسلم برادرز توازن میں'' میری کتاب ایک انتباہ ہے۔ یہ انتباہ خاص طور پر نوجوان مسلمانوں کے لئے ہے۔

میں نے ایم بی کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ میں نے کتاب میں لکھا ہے کہ میں ایک سرجن کی طرح ہوں۔ جو کہ ایک ایسے مریض کا علاج کر رہا ہے جو معدے کے کینسر میں مبتلا ہے اور یہ کینسر اسے ہلاک بھی کر سکتا ہے۔ کسی ڈاکٹر کے لئے یہ مناسب نہیں ہوتا کہ وہ اس مریض کو بتائے کہ آپ کا دماغ بہت اچھا کام کر رہا ہے، آپ کے دل کا کام بہت اچھا ہے یا یہ کہ آپ کے گردے درست کام کر رہے ہیں اور سب اعضاء درست ہیں، سوائے معدے کے جس میں کہ کینسر ہے۔ ڈاکٹر کا فرض ہے کہ وہ مریض کو بتائے کہ وہ اس موذی مرض سے ہلاک ہو سکتا ہے، اسے فوری طور پر اس کا علاج کروانا چاہیے بصورت دیگر وہ موت کے منہ میں چلا جائے گا اور اگر اس نے اپنے کینسر کا علاج نہ کروایا تو وہ تمام اعضاء کے درست کا کرنے کے باوجود موت کی گھاٹی میں اتر جائے گا۔

(د) میں اس امر کی تردید نہیں کرتا کہ کتاب میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو یا تو حذف کر دینی چاہئیں یا ان میں ترمیم کرنی چاہیے جیسا کہ یہ بیان ''یہودی 1948ء سے فلسطین میں ہیں لیکن ایم بی نے انہیں 44 سال تک کبھی تنگ نہیں کیا۔ اس لئے کہ حکومت نے انہیں کبھی ایسا کرنے کی اجازت ہی

نہیں دی۔ میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ ایم بی یہودیوں سے لڑتی رہی اور یہ کہ ان کے نوجوان ابھی تک یہودیوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں۔ میں اس بات کی بھی تردید نہیں کرتا کہ کتاب میں کچھ غیر ضروری ضرب الامثال بھی ہیں تاہم اگر ان ضرب الامثال کو کتاب سے حذف بھی کر دیا جائے تو کتاب کے موضاعاتی تاثر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں اس کتاب کو دو مرتبہ پڑھ چکا ہوں اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کا نظر ثانی کا دوسرا ایڈیشن آنا چاہیے۔ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں میری مدد بھی فرمائے گا یا نہیں کہ میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا بھی سکوں گا کہ نہیں۔

جہاں تک شیخ حسن البناء پر میری تنقید کا تعلق ہے تو یہ بات میں نے دو وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے کی ۔پہلی بات یہ کہ شیخ حسن البناء ایک تاریخی عوامی شخصیت ہیں۔ان کا ایم بی کے حوالے سے جائزہ لیا جانا چاہیے۔ میں شیخ حسن البناء کو تنقید سے پاک کوئی مقدس ہستی یا ولی اللہ نہیں سمجھتا جیسا کہ دیگر مسلمان انہیں سمجھتے ہیں اور نہ ہی میں انہیں کوئی مغالطے میں ڈالنے والی یا کوئی جعلی شخصیت سمجھتا ہوں جیسا کہ سیکولر اور کمیونسٹ ان کے بارے میں گمان کرتے ہیں۔ میں نے ان کی شخصیت اور کام کا اپنی قابلیت اور ذہنی صلاحیت سے مطالعہ کرنے اور جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ان کے بارے میں اور ایم بی کے بارے میں تجزیہ کرتے وقت میں نے اپنی بہترین صلاحتیوں کا اظہار کیا ہے، اس سے زیادہ صلاحتیوں کا مظاہرہ شاید میں نہیں کر سکتا تھا۔اس ضمن میں قابل افسوس بات یہ ہے کہ ایم بی کے کسی رہنما نے میرے اٹھائے جانے والے سوالات کے جواب دینے کی کوشش نہیں کی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حسن البناء رحمہ اللہ کے بعد آنے والوں نے اسی کے نقش قدم کو اپنایا، ان کا خیال تھا کہ کیونکہ حسن البناء رحمہ اللہ نے یہ کیا تھا اور وہ ہمارے پیش رو تھے اس لئے ہم صحیح کام کر رہے ہیں۔ یہ ضروری تھا کہ حسن البناء رحمہ اللہ نے جو کہا اور جو کیا اس کو مثال بنا کر اس کا جائزہ لیا جاتا۔

(ذ) تاہم اس کتاب کی اشاعت کے بعد ایم بی نے متعدد افسوس ناک نظریاتی غلطیاں کیں انہوں نے بیانات جاری کئے۔ اس میں یہ بیان بھی جاری کیا جس کا عنوان تھا ''ایم بی کا عوام کیلئے

بیان‘‘انہوں نے ایک نئی فقہ کے بارے میں بیان بازی شروع کردی ۔ ہمارے بھائی احمد عبدالسلام شاہین نے اپنی کتاب ’’فتح الرحمٰن فی الرعہ البیان الاخوان‘‘ میں ان بیانات پر اپنا ردعمل ظاہر کیا۔

ایک سابقہ بیان میں ایم بی نے کہا کہ ایم بی اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ عیسائیوں کو اس ریاست میں کسی بھی عہدے پر فائز ہونے کا حق حاصل ہے ،سوائے ریاست کے صدر کے عہدے کے ،کیوں؟ دوسرے لفظوں میں ایم بی کو اس بات پر اعتراض نہیں کہ ملک کا وزیراعظم بھی عیسائی ہو۔ پھر یہودی وزیراعظم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ معاملہ ایک سیاسی پروپیگنڈہ ہے،کوئی حتمی اصول نہیں۔

(ر) ایم بی نے عام طور پر اپنے لئے ایک خاموش کردار کا انتخاب کرلیا ہے یعنی ایم بی نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا ہے حالانکہ جہاد اسلام کے عظیم ترین فرائض میں سے ایک ہے۔ یہ انہوں نے اس وقت کیا جبکہ پوری قوم آفتوں میں گھری ہوئی ہے اور امریکہ اور یہودیوں کا ہماری زمین پر قبضہ ہے۔

(س) ایم بی کے نوجوانوں کو اپنے معاشروں میں ایک درست نشاۃ الثانیہ کا انقلاب برپا کرنا ہوگا اور انہیں مجاہدین کی صف میں کھڑا ہونا ہوگا۔

(ش) ایم بی کے نوجوانوں کو یقینی طور پر یہ محسوس کرنا ہوگا کہ نئے صلیبی حملہ آور اس وقت تک ان سے خوش نہ ہوں گے جب تک وہ کافروں کا عقیدہ نہ اپنالیں۔اسلام کے نوجوانوں کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ نیوورلڈ آرڈر کے تحت ذلت آمیز زندگی گزارنے کی بجائے ہتھیار اٹھالیں اور فخر کے جذبے سے سرشار ہوکر اپنے دین کا دفاع کریں۔

(ص) جہادی قوتیں ایک جگہ جمع ہورہی ہیں اور مغربی کفار اور ان کے ایجنٹوں کے خلاف جنگ کے لئے ایک نئی حقیقت کا نمونہ پیش کررہی ہیں ۔صدر سادات کے قتل کیس میں ملوث 302 ملزموں میں سے 194 ملزموں کی رہائی اسلام پسندوں سے زیادہ سیکورٹی سروسز کے لئے حیران کردینے والی

بات ہے ۔ایم بی نے صدر سادات کو یہ یقین دلا کر بنیاد پرستی کی تحریک سے حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔حکومت وقت کو دھوکہ دیا۔مصر کی گلیوں اور بازاروں میں ہونے والے واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ بنیاد پرستی کی تحریکیں تبدیلی کو متعارف کروانے کے اہل ہیں۔

الجماعت الاسلامیہ کے روحانی پیشوا عمر عبدالرحمٰن آج کل امریکہ میں قید کی سزا بھگت رہے ہیں ۔ان پر الزام ہے کہ وہ 1993ء میں نیویارک میں ہونے والے بم دھماکوں میں ملوث ہیں۔جب انوسٹی گیشن کے دورانیے کا خاتمہ ہوا اور پراسیکیوٹر نے اپنی تفتیش مکمل کر لی تو ملزموں کو عدالت میں ایک بڑے مقدمے میں پیش کیا گیا جو کہ مصر کی عدالتی تاریخ کا سب سے بڑا مقدمہ تھا۔پراسیکیوٹر نے تین 302 ملزموں کے مقدمات عدالت میں بھیج دیئے جبکہ مقدمات پر عدالتی کاروائی کا آغاز صدر سادات کے قتل کے تقریباً دوسال بعد ہوا عدالتی کاروائی بڑی انوکھی اور حیرت انگیز تھی لیکن اس عدالتی کاروائی میں دو مقدمات بہت اہم تھے۔پہلا واقعہ ڈاکٹر عمر عبدالرحمٰن کی معروف گواہی (شہادت) تھی جو کہ تین دن تک جاری رہی جبکہ دوسرا واقعہ شیخ صلاح ابو اسماعیل کی تاریخی گواہی (شہادت) تھی۔

شیخ عبدالرحمٰن نے بعدازاں اپنی شہادت (گواہی) پر مبنی کتاب ''اے ورڈ آف ٹرتھ'' کے نام سے شائع کی ۔ڈاکٹر عمر عبدالرحمٰن نے شریعت اور جہاد (مقدس جنگ) کے الفاظ کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس میں انہوں نے قرآن وسنت، نبی اکرم ﷺ کے فرمودات اور قوم کے مذہبی اسکالروں کے اتفاق رائے کی مثالیں دیں۔انہوں نے پراسیکیوٹر کے استغاثے اور الازہر کی رپورٹ جس کا پراسیکیوٹر نے حوالہ دیا تھا پر اپنا تفصیلی جواب ریکارڈ کرایا۔اس گواہی نے ڈاکٹر عمر عبدالرحمٰن کی قانونی پوزیشن کو خطرہ میں ڈال دیا کیونکہ اس میں جہاد کی حمایت میں شہادت موجود تھی۔عدالت کے جج نے انہیں انتباہ کیا کہ اس کے الفاظ انتہائی خطرناک ہیں اور یہ بھی کہا کہ اس کے وکیل کے الفاظ کو کوئی اور معنی پہنائے جاسکتے ہیں لیکن اس کے الفاظ کو نہیں لیکن ڈاکٹر عمر عبدالرحمٰن نے اسلام کی کاز کی حمایت جاری رکھنے پر اصرار کیا اور کہا کہ وہ اسلام کے عظیم تر مقاصد پر اصرار کرتے رہیں گے، بے شک اس میں انہیں سزا ہی کیوں نہ

سنادی جائے۔نہ صرف یہ بلکہ اس نے یہ کہہ کر جج کو بھی مصیبت میں ڈال دیا کہ جج بھی مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم اور ناانصافی کا ذمہ دار ہے۔انہوں نے جج سے کہا کہ وہ اللہ کی پکڑ سے ڈرے اوراس کے مقدمے کا فیصلہ شریعت کوسامنے رکھ کر کرے۔

ڈاکٹر عمر عبدالرحمٰن کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حکومت کو بھولا ہوا سبق اور اللہ کا پیغام یاد دلانے کا یہ ایک ایسا موقع ہے جسے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔اس کی گواہی اپنے بھائیوں کے دفاع کیلئے ایک بہترین گواہی تھی کیونکہ اس مقدمے کا فیصلہ سزائے موت ہی متوقع تھا۔اس موقع پر یہ ضروری بھی تھا کہ اس کے ساتھیوں کی عظیم مقاصد کے لئے دی جانے والی قربانی کو منظر عام پر لایا جائے۔

میں عمر عبدالرحمٰن کے مقدمے کے دوران جاری کئے جانے والے بیان سے کوئی نتیجہ نکالنے سے قبل کچھ دلائل پر ضرور بحث کروں گا جو انہوں نے انتہائی کھرے لہجے میں اور صاف گوئی سے بیان کئے ۔ان دلائل نے انہیں مشکل میں ڈال دیا کیونکہ پراسیکیوٹر نے ان کے بیان کو ان کے خلاف بطور شہادت پیش کر کے ان کی سزائے موت کا مطالبہ کیا لیکن وہ مجاہدوں کا اسکالر اور اسکالروں کا مجاہد تھا۔

شیخ عمر نے کہا ''پراسیکیوٹر کا کہنا ہے کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ طاقت (اختیار) صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے وہ لوگ خود طاقت استعمال کرتے ہیں۔ہاں! تمام طاقتیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔حضرت اسحاق،حضرت یعقوب اور حضرت ابراہیم علیہم السلام نے بھی یہی کہا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی یہی فرمان تھا اور یہ بات انہوں نے مصر کی جیل میں کی تھی۔جیل کی سختیاں اور مصائب انہیں حق بات کہنے سے نہ روک سکے اور یہی بات تمام پیغمبر کہتے آئے ہیں اور یہی دنیا بھر کے مسلمانوں کی آواز رہی ہے۔

عمر عبدالرحمٰن نے کہا ''پراسیکیوٹر نے مصر اور اسرائیل کے مابین ہونے والے معاہدے کا دفاع کیا ہے۔میں پراسیکیوٹر کی جانب سے آنے والے نقطہ نظر کا جواب نہیں دوں گا۔شیخ الازہر کی جانب سے تشکیل دی جانے والی کمیٹی کو جو بیان میں نے دیا ہے وہ کافی ہے لیکن میں پراسیکیوٹر ''عظیم

دانشور'' (طنزیہ طور پر) کو ضرور جواب دوں گا جو یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ معاہدہ خدائی احکام کی بنیاد پر درست ہے۔عمر عبدالرحمٰن نے قرآن مجید کی مقدس آیات کے حوالے سے پراسیکیوٹر کے دلائل کو رد کیا اور اس کے خوب لتے لئے اور کہا کہ ''میرا جرم یہ ہے کہ میں نے ریاست پر تنقید کی ہے اور معاشرے میں موجود بدعنوانی کو بے نقاب کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ کس طرح ریاست اللہ کے احکامات کے خلاف چل رہی ہے۔ میں ہمیشہ اللہ کے احکامات پر اسی طرح عمل پیرا رہوں گا کیونکہ یہی سچائی ہے اور میرے دین کی بنیاد اسی سچائی پر ہے اور میں اسی عقیدے پر سختی سے کاربند ہوں۔ میرا ضمیر اور میرا دین مجھے ناانصافی اور ظلم کے خلاف لڑنے پر تیار رکھتا ہے۔ میرا ضمیر مجھے غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کو غلط ثابت کرنے پر آمادہ رہتا ہے اور اس کے لئے چاہے مجھے اپنی جان کی قربانی ہی کیوں نہ دینا پڑے۔

میں جیل اور سزائے موت سے نہیں ڈرتا۔ میں اس بات پر قطعی خوش نہیں ہوں گا کہ مجھے معافی مانگنے کے لئے کہا جائے یا مجھے رہا کر دیا جائے۔ میں اس بات پر اداس نہیں ہوں گا اور نہ ہی مجھے کوئی افسوس ہوگا اگر مجھے پھانسی کے تختے پر کھینچ دیا جائے۔ میں اللہ کے راستے میں شہید ہونے کو پسند کرتا ہوں اور یہ میری آرزو ہے۔ سچ کے راستے پر چلتے ہوئے اگر جان قربان کر دی جائے تو ایک مسلم کے لئے خوشی اور سعادت کی اس سے بڑھ کر کوئی اور بات نہیں ہوتی۔ اگر مجھے جام شہادت پینا پڑا تو میں کہوں گا ''اے میرے اللہ! اے میرے کعبے کے رب میں جیت گیا۔ اے میرے اللہ! میں کامیاب ٹھہرا میں ایک مسلم ہوں جو اللہ کے دین کے لئے زندہ رہتا ہے اور اسی کے راستے میں اپنی جان دیتا ہے۔ جب اسلام پر ہر طرف سے کافروں کی یلغار ہو تو میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ مجھے کوئی چیز خاموش نہیں کر سکتی۔ اسلام پر اس کے مختلف طرح کے دشمن حملے کر رہے ہوں اور میں چپکے چپکے سنتا رہوں اور برداشت کرتا رہوں، یہ میں کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے لئے اس طرح کا طرز عمل اختیار کرنا ممکن ہی نہیں ہے''۔

اپنی گواہی کے اختتام پر عمر عبدالرحمٰن نے کہا ''اعلیٰ ریاستی عدالت کے جج صاحب! میں نے اپنے

دلائل مکمل کر لئے ہیں، میں نے سچ کھول کر بیان کر دیا ہے، آپ میری گواہی کو سنت اور قرآن مجید کے احکامات کے مطابق پرکھیں اور فیصلہ سنانے سے قبل میری شہادت کو خدائی احکامات اور قوانین کی کسوٹی پر رکھ کر دیکھیں اور سن لیں جج صاحب! اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نا اہل اور ایک نافرمان ہوں گے کیونکہ قرآن کا حکم ہے کہ جس نے جان بوجھ کر خدائی احکامات کو پس پشت ڈالا وہ نافرمان ہے۔اے عدالت کے صدر صاحب! اللہ آپ کو اس حکومت کے شر سے محفوظ رکھے۔اللہ آپ کو حکومت سے بچا سکتا ہے لیکن حکومت آپ کو اللہ سے نہیں بچا سکتی۔اللہ کا حکم تمام دنیاوی احکامات سے بالاتر ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ دیکھ رہا ہے۔اللہ کے احکامات سے روگردانی کرنا اطاعت نہیں نافرمانی ہے ۔میں ان جرائم پیشہ لوگوں کے مقابلے میں آپ کو انتباہ کرتا ہوں کہ آپ خدائی احکامات کو مدنظر رکھ کر کسی نتیجے پر پہنچیں''۔

جہاں تک شیخ صلاح ابو اسماعیل رحمہ اللہ کی شہادت (گواہی) کا تعلق ہے تو یہ ایک سنجیدہ گواہی تھی کیونکہ اس میں ریاست اور اسلام کے بارے میں بہت سے سنجیدہ سوالات کے مدلل جوابات دیئے گئے تھے اور ریاست کا مذہب کے بارے میں جو رویہ ہے اس ضمن میں بھی دلائل کے ساتھ بات کی گئی تھی ۔شیخ صلاح ابو اسماعیل رحمہ اللہ نے انور سادات کو زور دے کر بات کی تھی کہ مذہب میں کوئی سیاست نہیں ہے اور نہ ہی سیاست میں کوئی مذہب ہے۔شیخ صلاح ابو اسماعیل نے اپنی گواہی میں اسلامی اخلاقیات پر بات کی اور بتایا کہ اسلام میں شورائی نظام کی کیا اہمیت ہے اور جب عدالت نے فیصلہ سنایا تو یہ حکومت سیکورٹی سروسز اور پراسیکیوٹر کے حیران کن تھا۔عدالت نے ان کے لئے کسی سزائے موت کا اعلان نہیں کیا بلکہ یہ تین سو دو ملزموں میں سے رہا ہونے والے 194 میں شامل تھے۔

فیصلے کے قانونی نکات جس کی وجہ سے انہیں رہا کیا گیا یہ نکات فیصلے سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے کیونکہ ان حالات میں فیصلہ اتنا اہم نہ تھا جتنے وہ حالات تھے جس کی وجہ سے عدالت کو یہ فیصلہ کرنا پڑا ۔اور وہ یہ کہ عدالت نے تسلیم کر لیا تھا کہ مصر کے حکومتی معاملات کو اسلامی شریعت کے مطابق نہیں

چلایا جارہا۔عدالت نے یہ بھی تسلیم کیا کہ شریعت کا نفاذ ریاست کی ذمہ داری ہے اور یہ عوام کی دلی خواہش بھی ہے۔عدالت نے اس فیصلہ میں دراصل یہ تسلیم کیا کہ مصری آئین اورقوانین اسلامی قوانین سے متصادم ہیں۔عدالت نے یہ مانا کہ مصری قوانین کی وجہ سے مصر کے عوام کی اکثریت اسلام سے بالکل علیحدہ ہوچکی ہے اوران کی زندگی میں اسلام کوکوئی عمل دخل نہیں رہا۔عدالت نے یہ بھی مان لیا کہ زیرحراست افراد پرجسمانی تشدد کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں اوراس تشدد کی وجہ سے بہت سے لوگ زندگی بھر کے لئے معذور ہوچکے ہیں۔لوگ اپنی بصارتیں کھوبیٹھے ہیں اوراب وہ ایک عام صحت مندانسان کی طرح معاشرے میں اپنا کوئی مقام نہیں بناسکتے چنانچہ عدالت نے اپنے فیصلے میں مطالبہ کیا کہ اس پرتحقیقات کی جائیں اور جولوگ اس تشدد کے ذمہ دار ہیں انہیں تحقیقات کے ذریعے بے نقاب کیا جائے۔

باب نمبر 9

اسرائیل کی انتظامیہ گذشتہ دوصدیوں سے مغرب کے لئے کام کرتی رہی ہے ۔اس خطے میں اسرائیل کی موجودگی دراصل مغرب کے مفادات کے تحفظ کے لئے ہے۔اسرائیل دراصل شام اور مصر کو علیحدہ کرتا ہے ۔یہ دوعلاقے صدیوں تک صلیبی جنگوں کا ایک دیوار کا کام کرتے رہے ہیں ۔اسرائیل اسلامی دنیا کے دل میں بیٹھ کر ان کے خلاف کاروائیوں کو تیز کرنا چاہتا ہے۔

میں نے اس خطے میں اسرائیل کے قیام کے بارے میں متعدد کتب کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انگریزی کی متعدد دستاویزات بھی ملاحظہ کی ہیں ۔ان میں محمد حسین ہیکل کی کتاب ''عربوں اور اسرائیل کے مابین خفیہ مذاکرات'' بھی شامل ہے۔میں نے انٹرنیٹ پر موجود ان مضامین اور کالموں کا بھی مطالعہ کیا ہے جو وقتاً فوقتاً عرب اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مصر میں جہادی گروپ کے رہنما مشرق وسطیٰ میں ہونے والی روزانہ سرگرمیوں سے کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے۔

محمد علی کے عہد میں مصر کی سلطنت عثمانیہ کی جدوجہد نے یہودیوں اور انگریزوں کو ایک سنہری موقع دیا کہ وہ اسلامی دنیا کے دل میں اسرائیلی ریاست قائم کردیں یا دوسرے الفاظ میں ایک بفرزون (Buffer Zone) قائم کردیں۔انور سادات پہلا ایسا شخص نہیں ہے جس نے اسرائیل اور عربوں کے مابین علیحدہ سودے بازی پر دستخط کئے ہوں۔شہزادہ فیصل نے وہی کیا جو اس کے سامنے تھا ۔بعدازاں اس نے یہودیوں کے ہاتھ فلسطین کو بیچ کر اپنی ریاست خریدنے کی کوشش کی۔

1973ء کی جنگ میں امریکہ نے 33 روز تک اسرائیل کو اسلحہ، ہتھیار اور ٹینک فراہم کئے ۔اس

امداد کے پیچھے امریکہ کا یہ مقصد کارفرما تھا کہ اسرائیل اپنے جنگی نقصان کا ازالہ کر سکے اور کہیں کمزور نہ پڑ جائے اور نہایت عمدگی کے ساتھ اپنی جنگی صلاحیتوں میں اضافہ کر سکے۔ امریکہ نے ہر موقع پر اسرائیل کی مدد کی۔ جب اسرائیل نے سرعام کہہ دیا کہ وہ ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری پر کھلے عام معاہدے پر دستخط نہیں کرسکتا تو اس وقت اسرائیل کے بجائے امریکہ نے مصر پر دباؤ ڈالا کہ اس معاہدے پر دستخط کر دے۔ اس کے باوجود امریکہ اسرائیل کے ساتھ ہمدردانہ رویہ رکھتا ہے اور اسرائیل کی حرکتوں کو نظرانداز کرتا رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ نے جانتے بوجھتے اسرائیل کے پاس ایٹمی ہتھیار رہنے دیئے تاکہ وہ عربوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بنا رہے۔ خطے میں طاقت کا عدم توازن قائم ہو اور عرب ہمیشہ کے لئے اسرائیل سے ڈرتے رہیں۔ یہ ایک حیرت انگیز اور تکلیف دہ بات ہے حالانکہ اگر اس کا موازنہ پاکستان کی صورتحال سے کیا جائے تو پاکستان نے اس قسم کے کسی معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اس وقت تک دستخط نہیں کرے گا جب تک اس کا دشمن ہمسایہ ملک اس معاہدے پر دستخط نہیں کر دیتا۔

مغربی ریاستوں نے اسرائیل کے قیام اور اسے طاقتور بنانے کے لئے دو صدیوں پر محیط کوششیں کیں۔ اس کے قیام کا ان کے نزدیک صرف ایک ہی مقصد تھا کہ یہ تمام تر مغربی ممالک کے مفادات کا اس خطے کے اندر تحفظ کرے گا۔ جہاں تک فرانس کا تعلق ہے تو اس نے تو اٹھارویں صدی کے اختتام سے ہی اسرائیل کے قیام کی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا۔ میں اس کی یہاں کچھ مثالیں دیتا ہوں۔ پہلی بات یہ کہ جب نپولین بوناپاٹ نے مصر پر حملہ کیا تو وہ آکو پر قبضہ کرنے میں ناکام ہوگیا جس کے نتیجے میں اس نے یہودیوں کو اپنی معروف کال دی تھی۔ نپولین کا بیان تحریر کر کے اسپین، جرمن، اٹلی، فلسطین اور فرانس میں ہر جگہ پہنچایا گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ بوناپاٹ جو کچھ کر رہا تھا، معاملہ اس سے زیادہ وسیع تھا۔ بوناپاٹ نے اپنے بیان میں کہا تھا ''نپولین بوناپاٹ کی طرف سے۔۔۔ مملکت فرانس، افریقہ اور ایشیاء میں مسلح افواج کے سپریم کمانڈر کے نام۔۔۔ فلسطین کے اصل وارثوں کے نام۔۔۔ اے

اسرائیلیو! اے بے مثال لوگوں! دشمن قوتوں کی افواج تمہیں تمہاری شناخت اور وجود سے محروم کرنے میں ناکام ہوچکی ہیں۔ اگرچہ انہوں نے تمہیں تمہارے آباؤاجداد کے علاقے سے محروم کردیا ہے۔ پیغمبر نے تمہارے بارے میں پیشن گوئی کی ہے کہ تم ایک روز اپنی سرزمین پر واپس آؤ گے، پھر تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ کوئی ڈر اور تم کسی خوف کے بغیر ایک ریاست قائم کروگے۔۔۔ تم اپنے دشمن کے خلاف حالت جنگ میں ہو"۔

1938ء میں نپولین کی فتح کے بعد انگریزی فوج کے کمانڈر لارڈ ولنگٹن نے لارڈ پالمرسٹن کو ایک رپورٹ پیش کی جس میں اس نے مشرق قریب کی ایک رپورٹ پیش کرتے ہوئے لکھا کہ مصر کے حکمرانوں کے تضادات کی وجہ سے اس سال مصر اور ترکی میں ایک بحران نے سر اٹھایا ہے۔ دس سالوں میں محمد علی نے اپنی ریاست کی ضرورت کے مطابق فوج اور جہادوں کا ایک بیڑہ تیار کیا ہے۔ اس نے ایک لاکھ افراد کو فوج میں بھرتی کیا ہے اور انہیں اپنے آقا، سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ ان حالات میں انگریز حکومت کی جانب سے ایکشن کی ضرورت ہے تاکہ مداخلت کرکے "پاشا کو اس کی اوقات" یاد دلائی جائے کہ اسے ہر حال میں سلطان کی اعانت کرنی ہے"۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ انگریز حکومت نے خود بخود یہ اختیار حاصل کرلیا کہ کمزور حکومتوں کے خلاف جب چاہے کوئی ایکشن لیا جائے۔ یہ وہی قانون ہے جس پر آج امریکہ عمل پیرا ہے اور ایسے ملک جو طاقتور ہیں وہ بھی قانون پر عمل پیرا ہیں۔ امریکہ اور طاقتور ممالک کو تو یہ حق حاصل ہے کہ وہ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار رکھ سکیں لیکن امریکہ اور دیگر طاقتور ملک یہ حق کسی اور کمزور ریاست کو دینے کے حق میں نہیں ہیں؛

سیاسی طور پر کشیدہ صورتحال سے یہودیوں نے فائدہ اٹھایا۔ پالمرسٹون ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ بیمار آدمی (ترکی) وراثت کی تقسیم کی تیاریوں سے قبل ہی فوت ہوجائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ یہ بیمار کبھی صحت مند بھی نہ ہو، لہٰذا یہ ضروری تھا کہ مصر اور ترکی کو علیحدہ کرنے کے لئے

ایک بفرزون قائم کر دیا جائے۔اس صورتحال سے ضروری تھا کہ ہر ایک کو اس کی ''اوقات'' میں رکھا جائے اور کسی کو بھی ضرورت سے زیادہ طاقتور نہ ہونے دیا جائے۔

1840ء میں یورپی طاقتوں نے محمد علی پر دو معاہدے نافذ کر دیئے جو کہ اس کی شکست کا باعث بنے۔پہلے معاہدے کا تعلق اس کی اپنی ذات اور ان وارثوں سے تھا جو کہ مصر پر حکومت کر رہے تھے ۔دوسرے معاہدے کا نام ''شام میں صورتحال کی بہتری سے اقدامات'' تھا۔سطحی طور پر دوسرے معاہدے سے محمد علی نے ملک شام سے دستوں کے انخلاء کو محفوظ بنایا لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس معاہدے نے یہودیوں کے فلسطین میں قیام کی راہ ہموار کی۔

1849ء میں روتھ شیلڈ خاندان کی سرپرستی میں لندن میں ایک یہودی کانفرنس منعقد کی گئی ۔کانفرنس درج ذیل مطالبات جاری کر کے اختتام پذیر ہوئی۔

(1) انگریزوں کی حفاظت میں دنیا میں جہاں بھی یہودی موجود ہیں ، یہودیوں کی عالمی تنظیم انہیں تسلیم کرنے کا اعلان کرے۔

(2) انگریز حکومت سے اپیل کی جائے کہ وہ فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کے لئے اقدامات کرے اور اس طرح کے اقدامات دنیا کے تمام خطوں میں بھی کئے جائیں۔

1875ء میں برطانوی وزیر اعظم کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ مصر کا حکمران خدیو اسماعیل سویز کنال کمپنی میں سے اپنے حصص فروخت کرنا چاہتا ہے۔یہ برطانوی وزیر اعظم ڈزرائیلی تھا۔ڈزرائیلی برطانیہ کی تاریخ میں آخری یہودی وزیر اعظم تھا،اگر انگریز سیاستدان اپنے پروٹسٹنٹ مذہبی نظریات کے تحت اور سیاسی فوجی مفادات کے حصول کے لئے اسرائیل کی ریاست کے قیام کے لئے کام کر رہے تھے تو ایک یہودی برطانوی وزیر اعظم محسوس کرتا تھا کہ صورتحال کو مذہب کے فرزندوں کی بہتری کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس یہودی وزیر اعظم نے اپنے عنفوان شباب میں ایک ناول تحریر کیا تھا جس میں ایک کردار کہتا ہے''انگلینڈ ایک عظیم ملک ہے اسے اس کے چند سیاستدانوں نے ایک بہت

بڑے کمرشل اکاؤنٹ کے دفتر میں تبدیل کر دیا ہے ۔انگلینڈ ایک دل اور ایک ضمیر رکھتا ہے تاہم یہ یہودیوں کے شانہ بشانہ کھڑا ہوتا ہے اور انگلینڈ کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ خدا بھی یہودیوں کی دوبارہ زندگی کے لئے کوشاں ہے''۔

جونہی خدیو اسماعیل کی نہر سویز کمپنی کے حصص فروخت کرنے کی خواہش یہودی وزیر اعظم ڈزرائیلی تک پہنچی تو اسے محسوس ہوا کہ برطانیہ کے لئے سرزمین مصر میں پہنچنے اور بعد ازاں اسرائیل کی ریاست کے قیام کا یہ ایک سنہری موقع ہے ۔ڈزرائیلی کو انتہائی سرعت کے ساتھ سوچنا تھا۔ڈزرائیلی کے لئے مسئلہ یہ تھا کہ اسماعیل تمام رقم نقد مانگ رہا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ یہ تمام سودے بازی خفیہ طریقے سے طے ہو اور جہاں تک ممکن ہو سودے بازی کے بعد خاصا وقت گزرنے تک افشا نہ کیا جائے ۔یہ دو ایسی شائط تھیں جن کی وجہ سے وزیر اعظم اس معاہدے کو اسمبلی میں پیش نہ کر سکتے تھے۔اس نے اس کا ایک فوری حل نکالا اور بیرون روتھ شیلڈ خاندان کا ایک ایسا فرد تلاش کیا جس نے اس کے لئے چار ملین سونے کے پاؤنڈز کا انتظام کیا۔جونہی انگلستان نے سویز نہر کا مصر حصہ خرید لیا تو اس سے خطے میں تمام صورتحال اسرائیل کے حق میں تبدیل ہو گئی۔

نہر سویز کی اس فروخت کے ایک سال سے بھی کم عرصے کے بعد 1877ء میں روتھ شیلڈ خاندان نے فلسطین میں یہودیوں کی پہلی کالونی کی آبادکاری کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا آغاز کیا۔اس کالونی کا نام ''بتاح تکفاہ'' تھا۔اسی سال کے دوران حکومت برطانیہ نے سلطان سے کہا کہ وہ قبرص میں فوجی دستوں کو اترنے کی اجازت دیں۔یاد رہے کہ فوجی نقطہ نگاہ سے یہ ضروری تھا کہ شام کے ساحلی علاقے پر کڑی نگاہ رکھی جائے ۔کریمیا کی جنگ کے اختتام پر انگریزوں اور ترکوں کے مابین تعاون کا معاہدہ ہوا۔انگریزوں نے سلطان سے اس کی مشرقی جائیداد کے تحفظ کا وعدہ کیا۔1982 میں انگریزوں نے مصر میں اندرونی گڑبڑ کو محسوس کیا اور مصر پر قبضے کا فیصلہ کیا اور ''ثورہ عرابی'' کو کچل کر رکھ دیا۔انگریزوں نے اس کا جواز یہ پیش کیا کہ ثورہ عرابی دراصل سلطان کے خلاف بغاوت کر رہا تھا۔پس ،سلطان کی

حمایت حاصل کرنے کے بعد کفار کے دستے اسلام کے مرکز کی جانب بڑھنے لگے۔

انگریز کے مصر پر قبضے کے بعد یہودیوں کی ہجرت کی تحریک میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ یہودی بستیاں مشروم کی طرح جگہ جگہ اگنے لگیں اور ان میں اس تیزی سے اضافہ ہوا کہ انگریز کے مصر پر قبضے کے دس سال بعد بیس نئی آبادیاں بسائی گئیں۔ یہ بستیاں دریائے اردن کے مشرقی اور مغربی حصوں میں پھیلتی چلی گئیں۔

بیسویں صدی کے آغاز پر پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ اس جنگ سے قبل انگریز یہ جان چکے تھے کہ وہ فلسطین میں کیا کرنا چاہتے ہیں۔ انگریز کے عزائم برطانوی وزیراعظم کیمبل باترمان کی سفارشات سے بھی عیاں ہوئے۔ یہ سفارشات اس نے جنگ سے قبل کی تھیں۔ وزیراعظم کیمبل باترمان نے صاف صاف لکھا ہے کہ ایک ایسی ریاست کی تشکیل کی ضرورت ہے جو یورپ کو قدیم دنیا سے ملانے اور بحیرہ روم اور بحیرہ احمر تک جانے میں معاون ثابت ہو۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جو ہمیشہ راہنمائی مہیا کرتی رہے گی۔ ہمیں اس ضرورت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عملی راستے اختیار کرنا ہوں گے۔ اس واضح عزم سے کیا مراد ہے؟ صرف اور صرف فلسطین کے اندر ایک یہودی ریاست کا قیام۔

جنگ کے دوران 1915ء میں انگریز حکومت نے سرہربرٹ سموئیل سے کہا کہ وہ فتح کے بعد فلسطین کی صورتحال کے بارے میں ایک خیالی خاکہ تیار کریں۔ وزارت جنگ کے اہم رکن اور یہودی زائنسٹ سرہربرٹ سموئیل نے پانچ فروری 1915ء میں ''فلسطین کا مستقبل'' کے عنوان سے ایک یادداشت میں تحریر تھا کہ ''انگریزوں کے مفادات کا تحفظ اور کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انگریزوں کی سرپرستی میں فلسطین میں ایک عظیم یہودی فیڈریشن قائم کی جائے۔ جنگ کے بعد فلسطین کو لازمی طور پر انگریزی حکومت کے زیرنگیں دے دیا جائے''۔

1915ء کے موسم بہار میں پہلی جنگ عظیم کے آغاز کے کچھ ہی مہینوں کے بعد ایک ایسا شخص منظر عام پر آیا جس نے یہودیوں کے لئے بیش بہا خدمات سرانجام دیں تھیں۔ اس کا نام مارکس سایکس تھا

جس نے انگریزوں کی طرف سے معروف سائیکس پیکو پکٹ معاہدے پر دستخط کیئے۔انگریزوں کی دستاویزات سے ایک خطرناک نظریہ سامنے آتا ہے۔اس نظریہ کا سب سے اہم نقطہ یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں تمام مذاہب کے مقدس مقامات انگریزوں کے کنٹرول میں رہیں گے۔

انگریزوں کی دستاویزات میں تحریر ہے کہ مصر میں یہودی کمیونٹی کا سربراہ موسیٰ قطاوی پاشا نے جولائی 1916ء میں مصر میں برطانوی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف ماکسویل سے کہا کہ وہ اس کو اجازت دیں کہ جنرل اللنبی کی فوج جو کہ فلسطین اور شام میں ترکوں کے خلاف چڑھائی کے لئے تیار ہے اس میں یہودی بٹالین قائم کی جائیں۔لیکن اس بٹالین کے یہودی افسران اور سپاہی اپنی ٹوپیوں کے سامنے داؤد کا ستارہ ضرور لگائیں تاکہ یہ واضح طور پر پتہ چل سکے کہ یہ فوجی یہودی بٹالین سے تعلق رکھتے ہیں۔یہودیوں کی حمایت اور اسلام کے خلاف اس نفرت انگیز ماحول میں دو نومبر 1917ء کو بالفور کا معاہدہ عمل میں لایا گیا۔

جنگ کے بعد اور امن کی تیاریوں کی کوششوں کے دوران زائنسٹ تحریک کی یہ کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طور پر فلسطین کے اندر یہودیوں کے لئے ایک ریاست کا قیام ممکن ہوجائے۔فلسطین پر حملہ کرنے والی برطانوی فوج کے کمانڈر لارڈ اللنبی جس نے ترکوں کو فلسطین سے باہر نکال دیا تھا،اسے بعدازاں مصر میں برطانوی کمشنر کے طور پر تعینات کردیا گیا۔1921ء لارڈ اللنبی نے ایک مرتبہ مشرق وسطیٰ کے ڈائیریکٹر آپریشنز کرنل رچرڈ مائیز سے کہا کہ برطانوی وزیراعظم لائیڈ جارج کو پیش کرنے کے لئے ایک یادداشت تیار کی جائے جس میں مصر اور فلسطین کے بارے میں سفارشات شامل ہوں۔

ہمیں یہاں تھوڑا سا توقف کرنا ہوگا اور اگر اس صورتحال کا آج کی صورتحال سے موازنہ کریں تو یہ حقیقت اب واضح ہوچکی ہے کہ اس پالیسی کا اطلاق آج بھی جاری ہے اور مصر اور اسرائیل کے درمیان تعلقات بفرزون کے علاقے کو غیر مسلح کرکے ہتھیاروں پر پابندی عائد کی جارہی ہے۔

انگریزوں کی کوششیں یہودیوں کو سیاسی اور فوجی خدمات مہیا کرنے پر ہی ختم نہیں ہوئیں بلکہ اس

نے عرب حلیفوں پر ایک مسلسل دباؤ رکھا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کرلے۔ 1917ء میں ہونے والے سائیکس بیکو پکٹ معاہدے اور اعلان بالفور کے بعد عرب حلیفوں کو شدید صدمہ پہنچا۔ انگریزوں نے قاہرہ کے نگران کمانڈر ہوگرٹ کو جدہ میں الشریف حسین سے بات چیت کے لئے روانہ کیا تا کہ وہ اس پر تمام صورتحال واضح کرے اور ان حلیفوں پر دباؤ برقرار رکھے کیونکہ ان حلیفوں کے پاس تابعداری کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ کمانڈر ہوگرٹ کے مذاکرات کی رپورٹ میں سے ایک اقتباس یوں ہے۔

''سائیکس بیکو پکٹ کی روشنی میں الشریف حسین نے کہا کہ اگر اس معاہدے میں کسی ضروری شق کا اضافہ ناگزیر ہے تو وہ اس کے لئے تیار ہے تاہم اس نے کہا کہ ہم اس سے ضروری ترمیم کی اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بتائیں گے''۔

الشریف حسین نے شام میں مصر کے مطالبات کا مسئلہ اٹھایا۔ کمانڈر ہوگرٹ نے کہا ''اب فرانس ہماری آنکھوں سے دیکھتا ہے (مطلب یہ کہ انگریز کی آنکھوں سے) اور جہاں تک شام کا تعلق ہے تو فرانس شام کی آزادی میں اس کی مدد کرنا اور بچانا چاہتا ہے لیکن الشریف حسین اس دلیل سے قائل نہ ہوا اور جہاں تک اعلان بالفور کا تعلق ہے تو اس پر کرنل ہوگرٹ نے الشریف حسین کو جنگ کے دوران زائنسٹ تحریک کے پھیلاؤ کے بارے میں وضاحت اور تفصیل سے بتانا شروع کیا۔ کرنل گرہوٹ نے اپنی گفتگو میں یہودیوں کے مفادات کی اہمیت، یہودیوں کے اثر ورسوخ اور ان سے تعاون کرنے کے فوائد کے بارے بھی بتایا۔

الشریف حسین نے اعلان بالفور کے فارمولے کو ماننے کے لئے اپنی رضامندی کا اشارہ دیا۔ لندن میں وزارت جنگ کی اس رپورٹ میں کرنل ہوگرٹ کہتا ہے ''الشریف حسین پرجوش طریقے سے رضامند ہوا اور کہا کہ وہ تمام عرب ممالک میں یہودیوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔ جہاں تک الشریف حسین کے بیٹے شہزادہ فیصل کا تعلق ہے تو اس کے استاد اور معروف برطانوی انٹیلی جنس افسر لارنس نے اسے حاییم وایزمان سے فرسای کانفرنس کی تیاری کے دوران العقبہ میں ملاقات پر رضامند کر لیا۔ یہ کانفرنس

جنوری 1919ء میں ہونے والی تھی۔ دونوں نے ایک معاہدے پر دستخط کئے جن میں درج ذیل قول کا اقرار کیا گیا تھا کہ ”حجاز میں عرب بادشاہت کی نمائندگی کرنے والے شہزادہ فیصل اور زائنسٹ تحریک کی نمائندگی کرنے والے ڈاکٹر حاییم وایزمان دونوں محسوس کرتے ہیں کہ عربوں اور یہودیوں کے مابین قربت ہونی چاہیے۔

معاہدے کی پیش بینی کے طور پر ہم نے محسوس کیا کہ فیصل نے یہ جان لیا کہ فلسطین، ہیبر یو ریاست کے مقابلے میں ایک ریاست ہے حتیٰ کہ اس نے دونوں اطراف کی سرحدوں کے بارے میں یہ بھی جان لیا۔ اس طرح انور سادات وہ پہلا شخص نہیں تھا جس نے اسرائیل اور عربوں کے مابین ایک علیحدہ امن معاہدے دستخط کئے ہوں۔ اس معاہدے نے یہودیوں کی وسیع پیمانے پر ہجرت کی حوصلہ افزائی بھی کی۔

میں نے محسوس کیا کہ اس ضمن میں بہت سے واقعات اور حقائق بیان کرنے کے قابل ہیں تاہم کچھ اہم مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(1) عربوں اور اسرائیل کے درمیان اکتوبر 1973ء کی جنگ میں امریکہ نے اپنے طیاروں کے ذریعے اسرائیل کو اسلحہ، بارود اور دیگر ہتھیار فراہم کئے، حتیٰ کہ امریکہ نے اسرائیل کو امریکی توپ خانے کی بھی مدد فراہم کی اور یہ تمام حربی ساز وسامان براہ راست میدان جنگ میں اتارا گیا۔ اس فضائی امداد پر تبصرہ کرتے ہوئے مصر کے وزیر جنگ محمد عبدالغنی الجمسی کہتے ہیں ”امریکہ کی اسرائیل کو فضائی امداد پر 13 اکتوبر سے 14 نومبر 1973ء تک تینتیس روز تک جاری رہیں۔ اس فضائی امداد کے لئے امریکہ کی فضائی قوت کا تقریباً چوبیس فیصد حصہ روزانہ استعمال کیا گیا۔ تقریباً بائیس ہزار چار سو ستانوے ٹن اسلحہ۔ گولہ بارود اور ہتھیار فراہم کیا گیا۔ اس دوران 707 اور 747 نامی طیاروں نے ساڑھے پانچ ہزار ٹن اسلحہ فراہم کیا۔ اس کے علاوہ چونتیس فیصد رسد سمندر کے ذریعے پہنچائی گئی۔ اس امداد کا مقصد اسرائیل کی جنگی طاقت میں اضافہ اور جنگی نقصان کا ازالہ تھا۔ فضائی رسد میں مختلف قسم کا

گولہ بارود شامل تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلحہ کی ترسیل کا آغاز 13 اکتوبر سے ہوا جبکہ مصر نے جنگ کا آغاز 14 اکتوبر کو کیا تھا چنانچہ اسرائیل نے حملے کو پسپا کرنے کی مکمل تیاری کر لی تھی۔ امداد کے ذریعے امریکہ نے مکمل طور پر اسرائیل کو اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ ایک مکمل جنگ کا مقابلہ کر سکے اور جنگ کے حتمی مراحل جیت سکے۔ اس امریکی امداد نے فوجی طاقت کا توازن اسرائیل کے حق میں کر دیا تھا۔ اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح امریکہ نے اس جنگ میں کھلم کھلا اسرائیل کا ساتھ دیا۔

میرے اندازے کے مطابق اس امداد سے اسرائیل نہر کے محاذ کے اوپر براہ راست پروازوں اور جنگ میں برتری کے حصول کے قابل ہو گیا تھا۔ اس فضائی امداد کے بغیر اسرائیل کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ جنگ کے آخری حصے میں جیت سکتا۔ اسرائیل کے قیام سے اسرائیل کو سیاسی حمایت اور اس کے حریفوں پر دباؤ کا سلسلہ جاری ہے۔ مثال کے طور پر 26 مارچ 1979ء کو جس روز مصر اور اسرائیل کے مابین امن معاہدہ ہوا اسی روز امریکہ اور اسرائیل کے مابین ایک معاہدہ ہوا کہ اگر اسرائیل اور مصر کے مابین ہونے والے معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی تو امریکہ اسرائیل کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔ ذیل میں اس معاہدے کی خطرناک شقیں دی جا رہی ہیں۔

اگر امریکہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے یا یہ کہ اس معاہدے کو کوئی خطرہ ہے تو امریکہ دونوں فریقوں سے رابطہ کے بعد اس مسئلے کا حل تلاش کرے گا۔ اس معاہدے کی پابندی کروانے کے لئے سفارتی، معاشی اور فوجی اقدامات جو ممکن ہوئے کئے جائیں گے۔ امریکہ اس صورت میں ضروری اقدامات کرنے کا پابند ہوگا۔ جب وہ محسوس کرے کہ اس میں اسرائیل کی سلامتی کو کوئی خطرہ ہے۔ مثال کے طور پر اگر امریکہ محسوس کرتا ہے کہ عالمی سمندری راستوں کو اسرائیل کے لئے بند کر دیا گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔ اگر اقوام متحدہ کسی ایسی پابندی کا اعلان کرتا ہے جو اس معاہدے کے خلاف جا رہی ہو تو امریکہ ایسی قرارداد کو مسترد کر دے گا۔

امریکہ نے اس معاہدے پر دستخط سے ایک روز قبل اس کی ایک کاپی انور سادات کے حوالے کی لیکن یہ

پیشگی کا پی بھی انور سادات کو دستخط کرنے سے باز نہ رکھ سکی۔ اس نے حتیٰ کہ ایک نئی دستاویزات پر بھی دستخط کر دیئے۔ جس کا عنوان تھا ''غزہ اور مغربی کنارے کے مکمل اختیار کا معاہدہ''

اگر اس معاہدے کا سنجیدگی سے تجزیہ کیا جائے تو درج ذیل حقائق کھل کر سامنے آجاتے ہیں:

(1) امریکہ نے اسرائیل کی سلامتی کو کسی بھی قسم کے خطرے یا معاہدے کی کسی بھی قسم کی خلاف ورزی کی صورت میں حملہ کرنے کے اختیار خود ہی حاصل کر لئے۔

(2) امریکہ نے اس معاہدے ے بعد اسرائیل کے ساتھ جو معاہدہ کیا وہ یکطرفہ تھا نہ کہ دوطرفہ یعنی پہلے معاہدے کے صرف ایک فریق کے ساتھ امریکہ نے معاہدہ کیا جس کا مطلب یہ ہے اسرائیل کی سلامتی کو ہر حال میں محفوظ کیا جائے اور اگر اسرائیل کسی جارحیت کا مرتکب ہو تو۔۔۔؟ یعنی ملٹری ایکشن صرف مصر کے خلاف ہوگا نہ کہ اسرائیل کے خلاف۔

(3) امریکہ نے اقوام متحدہ کی طرف سے کسی بھی ایکشن یا قرارداد کو مسترد کرنے کا اختیار بھی خود ہی حاصل کر لیا، اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ امریکہ کے لئے اسرائیل کی سلامتی، اقوام متحدہ اور اس کی قراردادوں کی نسبت زیادہ اہم ہے۔ اس سے امریکہ کی منافقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ کس طرح عالمی سطح پر اقوام متحدہ اور دیگر اداروں کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے استعمال کرتا ہے جہاں تک اسرائیل کی سلامتی کا تعلق ہے امریک نے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے کس طرح اقوام متحدہ کی قراردادوں سے جراءت اور لاتعلقی کا اظہار کیا ہے جبکہ اس دوران دنیا بھر کے غریب مما لک عام طور پر اور اسرائیلی خطے کے مما لک خاص طور پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کو مان رہے ہیں۔

(4) امریکہ کے مطابق یہ معاہدہ امن معاہدے کو منسوخ نہیں کرتا، جس کا یہ مطلب ہے کہ امریکہ کے اسرائیل کے ساتھ ہونے والے معاہدے کو اس امن معاہدے پر برتر حیثیت حاصل ہے اور یہ معاہدہ مصر کا اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف کسی جنگ کا اعلان نہ کرے۔ اس سے دراصل مصر پر پابندی عائد کر دی گئی ہے کہ وہ مشترکہ عرب دفاعی معاہدے سے باہر نکل آئے اور اس کی

پابندی نہ کرے حالانکہ یہ معاہدہ مصر کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ اس معاہدے کے فریقین پر کسی بھی جانب سے حملے کی صورت میں ان کا ساتھ دے۔ اس کے بعد اسرائیل نے عراق کے ایٹمی پلانٹ پر بمباری کی۔ جنوبی لبنان پر چڑھائی کی اور وہاں فوج کی صورت میں اپنا ایجنٹ مقرر کیا۔ بحیرہ احمر کے جنوبی دروازے پر واقع ڈھلک جزیرے پر قبضہ کیا۔ جنوبی سوڈان میں علیحدگی پسندوں کی تحریک میں اپنی امداد کا اضافہ کیا اور شام کو تنہا کرنے کے لئے ترکی کا حلیف بن گیا۔ اسرائیل کے خیال میں مشرق میں اسرائیل کی سلامتی کا دائرہ پاکستان تک وسیع ہو چکا ہے اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو اسرائیل اپنے وجود اور سلامتی کے لئے ایک مستقل خطرہ محسوس کرتا ہے۔ اسرائیل کے لئے امریکی حمایت اس حد تک آگے بڑھ چکی ہے کہ وہ مصر سمیت دیگر ریاستوں کو اسرائیل کی اطاعت پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ اسی دباؤ کے ایک نکتے کے طور پر اس نے مصر کو مجبور کیا کہ وہ ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدے پر دستخط کر دے۔ اس صورتحال میں اسرائیل سر عام اعلان کر چکا ہے کہ وہ اپنے مخصوص حالات کی بناء پر ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدے پر دستخط نہیں کر سکتا۔ اس سب کے باوجود امریکہ کی اسرائیل کے لئے ہمدردیاں واضح ہیں اور وہ اس کی ''حرکتوں'' سے اغماض برتتا ہے۔

یہ ایک حیرت انگیز اور تکلیف دہ حقیقت ہے کہ پاکستان جیسا ملک جس کے امریکہ کے ساتھ مضبوط دیرینہ تعلقات ہیں، اس وقت تک اس معاہدے پر دستخط سے انکار کر چکا تھا جب تک اس کا دشمن ہمسایہ ملک بھارت اس پر دستخط نہیں کر دیتا۔ مصر کی طرح پاکستان امریکہ کے سامنے اس طرح نہیں جھکا کہ وہ اس کی ہر جائز و ناجائز خواہش پر ہاں کرتا رہے۔

درج بالا واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ اسرائیل کے لئے ایک سائبان کا سا ماحول فراہم کرتا رہتا ہے تاکہ وہ مسلمانوں کے عین مرکز میں موجود رہے۔ امریکہ کا یہ جرم دنیا کے تمام جرائم سے بڑھ کر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کردار ادا کرتے ہوئے مغربی ممالک کے عوام بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں جو کہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہوتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ وہ صحافتی جنگ اور موڑ توڑ کر پیش

کی جانے والی خبروں سے متاثر ہوتے ہیں لیکن بالآخر وہ اپنی حکومتوں کے الیکشن کے دوران ووٹ دیتے ہیں ۔اپنی حکومت خود منتخب کرتے ہیں اور اس حکومت کی پالیسیوں کو چلانے کے لئے ٹیکسوں کی صورت میں فنڈز مہیا کرتے ہیں اور وہ اپنے حکمرانوں کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں کہ کس طرح ان فنڈز کو استعمال کرتے ہیں ۔اس بات سے قطع نظر کہ ان ممالک کی حکومتیں عوام سے کس طرح ووٹ حاصل کر پاتی ہیں ۔ان ممالک کے لوگ ووٹ ڈالنے میں آزاد ہیں ۔مغربی ملکوں کے عوام کا کئی عشروں سے یہ مطالبہ رہا ہے اور یہ مطالبہ کسی افراتفری میں وجود میں نہیں آیا ۔یہ اس درخت کا پھل ہے جسے صدیوں اسلام اور مسلم دشمنی کا پانی دیا گیا ہو۔اس حقیقت کے پیش نظر ہمیں مغرب کے لئے حقیقت پسندانہ پالیسی کی تشکیل کی ضرورت ہے ۔ہمیں واہموں کے آسمان سے گر کر حقیقت کی سرزمین پر حملہ نہیں کرنا چاہیے ۔ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ مغرب جس کی قیادت امریکہ کر رہا ہے اور امریکہ یہودیوں کے قبضہ میں ہے ۔مغرب اخلاقیات اور قانونی حقوق کی زبان نہیں سمجھتا، وہ صرف اپنے مفادات کی زبان سمجھتا ہے جس کے عقب میں وحشیانہ فوجی طاقت موجود ہے تاہم اگر ہم ان سے کوئی بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور انہیں قائل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں یقیناً اسی زبان میں بات کرنا پڑے گی جو زبان وہ سمجھتے ہیں ۔

باب نمبر 10

امریکیوں کو ایک گولی، خنجر، بارود سے بھرے ہوئے بم یا لوہے کی سلاخ سے ہلاک کرنا ناممکن نہیں ہے۔اسی طرح ان کی پراپرٹی کو ایک گلاس کاک ٹیل سے جلانا بھی مشکل نہیں ہے۔مجاہدین کے چھوٹے گروپ ہونے چاہئیں جن کی دہشت امریکیوں اور یہودیوں کے دلوں میں بیٹھ جائے۔خودکش بم دھماکوں کا طریقہ نہایت بہترین طریقہ ہے کیونکہ اس سے دشمن کا نقصان زیادہ اور بنیاد پرستوں کا نقصان کم ہوتا ہے۔جس چیز کو نشانہ بنانا ہے اور ہتھیار کا انتخاب دونوں کو درست ہونا چاہیے۔دشمن کے انفرااسٹرکچر کو نقصان پہنچایا جائے تاکہ وہ اپنی سربیت سے باز آجائے۔اس امر سے قطع نظر کہ اس آپریشن میں کتنی مدت صرف ہوتی ہے، آپریشن پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرکے اسے غلطیوں سے پاک کیا جائے اور پھر دشمن پر ضرب لگائی جائے کیونکہ یہی ایک زبان ہے جسے مغرب سمجھتا ہے۔

عام طور پر میں دشمن کے علاقے میں جنگ کے حق میں ہوں اور یہی بنیاد پرستوں کی تحریک کا مقصد ہونا چاہیے۔فوج اس وقت تک فتح سے ہمکنار نہیں ہوسکتی جب تک کہ پیدل فوج توپ خانہ کی مدد سے علاقے پر قبضہ نہ کرلے۔اسی طرح اسلامی تحریکیں اس ایک عالمی اتحاد کے خلاف فتح یاب نہیں ہوسکتیں جب تک کہ عرب ے علاقے کے عین وسط میں ایک اسلامی اڈہ قائم نہ کیا جائے۔جب تک اس خطے میں ایک بنیاد پرست ریاست قائم نہ ہوجائے۔قوم کو متحرک کرنے اور مسلح کرنے کا خواب محض خواب ہی رہے گا۔مسلم دنیا کے درمیان ایک بنیاد پرست ریاست قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے تاہم مسلمانوں کو امید ہے کہ وہ دوبارہ اپنی خلافت بحال کرنے اور ماضی کی شان وشوکت حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ہمیں دشمنوں کے یکے بعد دیگرے کئے جانے والے حملوں سے خوفزدہ اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

نیا منظر نامہ

ایک غیر جانبدار تجزیہ نگار اسلامی دنیا میں عام طور پر اور مصر میں خاص طور پر تشکیل پانے والے ایک نئے منظر نامے کے مختلف مظاہر کو با آسانی محسوس کر سکتا ہے۔

جنگوں کی عالمگیریت

اپنے دل میں اسلام دشمنی کا زہر چھپائے مغربی طاقتوں نے اپنے دشمن کا تعین کر لیا ہے۔ وہ اپنے دشمن کو اسلامی بنیاد پرست کہتے ہیں۔ اسلام کے خلاف جنگ لڑنے کے لئے انہوں نے اپنے پرانے حریف روس کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا ہے اور اب روس ان منصوبوں اور انہیں عملی جامہ پہنانے ک پروگرام کا ایک حصہ ہے۔ انہوں نے اسلام کے خلاف جنگ کرنے کے لئے متعدد ہتھیار تیز کر لئے ہیں ۔ان ہتھیاروں میں:

- ☆ اقوام متحدہ
- ☆ مسلم ممالک کے دوست حکمران
- ☆ ملٹی نیشنل کارپوریشنز
- ☆ عالمی ذرائع ابلاغ اور معلومات کے تبادلے کا نظام
- ☆ عالمی خبر رساں ایجنسیاں (جنہیں انٹیلی جنس مہیا کرنے، سازشوں کی منصوبہ بندی کرنے اور ہتھیاروں کی نقل و حمل کرنے کے لئے رکھا گیا ہے) شامل ہیں۔

اس عالمی اتحاد کے سامنے ایک بنیاد پرستوں کا اتحاد تشکیل پا چکا ہے۔ اس جہادی اتحاد کی تشکیل میں مسلم دنیا کے مختلف خطوں سے تعلق رکھنے والی جہادی تحریکیں اور دو ممالک شامل ہیں جنہیں اسلام کے نام پر آزاد کروایا گیا۔ یہ دو ممالک افغانستان اور چیچنیا ہیں۔ اگر چہ یہ اتحاد ابھی ابتدائی مراحل میں ہے لیکن آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے۔ یہ اتحاد اس ابھرتی ہوئی طاقت کی نمائندگی کرتا ہے جس کا نام جہاد ہے

اور یہ نیو ورلڈ آرڈر کے دائرہ کار سے باہر کام کر رہا ہے۔ یہ مغربی سامراجیت کے غلامی کے چنگل سے آزاد ہے۔ یہ اسلام کے خلاف لڑی جانے والی نئ صلیبی جنگوں کی تباہی و بربادی کا عزم لئے ہوئے ہے۔ یہ دنیا کے کفار سربراہوں، امریکہ، اسرائیل اور روس سے انتقام لینے کو تیار ہے۔ یہ اپنے شہداء کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بیتاب ہے۔ یہ مشرقی ترکستان سے اندلسیہ تک کی ماؤں کے المیوں، یتیموں کی محرومیوں، قیدیوں کی مصیبتوں اور زخمیوں کے چرکوں کا بدلہ لینے کے لئے بے چین ہے۔ دنیا نت نئے مظاہر کا مشاہدہ کر رہی ہے۔ موجودہ عہد ایک نئے مظہر کی گواہی دے رہا ہے۔ یہ ایک ایسے نوجوان مجاہدین کا مظہر ہے جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کی غرض سے اپنے خاندان، ملک، دولت، تعلیم، نوکریاں سب کچھ چھوڑ دیا۔

اب یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ جہاد کے علاوہ ان مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔ اسلام کے فرزندوں میں ایک نئ ذہنی بیداری کا آغاز ہو رہا ہے جسے مسلم دنیا کے حکمران نظر انداز کرتے آرہے ہیں۔ مسلم نوجوانوں کے اندر جذبہ جہاد کی تڑپ ہے، وہ اپنی بیتابی کے پیش نظر جہاد میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ جہاد کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ جہاد کے بارے میں پھیلنے والے اس شعور نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ جہاد کے علاوہ باقی تمام طریقے ناکام ہیں۔ اس سلسلے میں الجیریا کی مثال ایک سخت سبق کے طور پر ہمارے سامنے ہے۔ اس نے مسلمانوں پر یہ بات ظاہر کر دی ہے کہ مغرب نہ صرف کافر ہے بلکہ یہ جھوٹا اور منافق بھی ہے۔ الجیریا میں اسلامک سالویشن فرنٹ نے تاریخی حقائق، سیاست، طاقت کے توازن اور قبضے کے اصولوں سے صرفِ نظر کیا۔

یہ بیلٹ بکسوں کی طرف بھاگے تاکہ صدارتوں اور وزارتوں کو حاصل کر سکیں۔ وہ انصاف اور ظلم کے مابین فرق کو بھول کر بھاگے تو سامنے فرانسیسی اسلحے سے لدے ٹینکوں نے ان پر بوچھاڑ کر دی اور وہ تخلیق کے آسمان سے حقیقت کی زمین پر آگرے۔ اسلامک سالویشن فرنٹ کے لوگوں نے سوچا کہ حکمرانی کے

دروازے ان واکردیئے گئے ہیں لیکن وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ ان کو جیلوں میں بندکردیا گیاہے۔ان پر زندگی کے دروازے تنگ کردیئے گئے ہیں۔اصل میں انہیں نیوورلڈ آرڈر کی کال کوٹھری میں قید کردیا گیا تھا۔یہ تمام حقائق اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے کافی ہیں کہ یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف جن صلیبی جنگوں کا آغاز کردیا ہے ان سے مقابلے کے لئے مسلم دنیا کے پاس صرف ایک ہی راستہ بچتا ہے اور وہ راستہ جہاد کا ہے۔جو صورتحال یہودیوں نے مسلم دنیا پر مسلط کردی ہے اس سے مسلم دنیا بالعموم اور عرب بالخصوص دنیا بھر میں کسی بھی اہم مقام کے حصول میں ناکام ہو چکے ہیں۔ہماری حالت اس طرح ہے جیسے ایک دعوت میں یتیم بچے پھر رہے ہوں جن کا وہاں کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔(ایک عربی کہاوت)

میری اس گفتگو پر کوئی مجھے روک کر یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ تم خود ہی اپنی بات کی تردید کررہے ہو۔اپنی زندگی کے واقعات بیان کرتے ہوئے تم نے کہا کہ جہادی تحریک کے کچھ رہنما مایوس ہو چکے ہیں اور اب تم بھی مایوسی پر مبنی بات کررہے ہو؟ اس کا جواب سادہ سا ہے کہ تمام تحریکیں مٹنے اور نئی زندگی پانے کے ایک دائرے میں چلتی ہیں لیکن کسی بھی تحریک کی تقدیر کا تعین صرف دو حقائق کرتے ہیں۔اول خاتمہ اور دوئم نشونما۔

اسلامی تحریک کو عام طور پر اور جہادی تحریک کو خاص طور پر اپنے کارکنوں کو مستقل مزاجی،صبر،ثابت قدمی اور استقلال کا درس دینا ہوگا۔جہادی رہنما خود کو ان اوصاف کا نمونہ بنائیں تاکہ ان کا پیغام ان کی شخصیت کے ذریعے نچلی سطح پر کارکنوں تک پہنچے یہی کامیابی کی کنجی ہے۔قرآن مجید میں بھی یہی ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور صبر کرو تاکہ تم کامیاب ہوسکو۔اگر رہنماؤں کی طرف سے اس طرح کے اشارے ملتے ہوں کہ وہ جہاد سے روگردانی کررہے ہیں یا انہوں نے شکست تسلیم کرلی تو تحریک کے کارکن اپنے رہنماؤں کو ایسا نہیں کرنے دیں گے۔وہ انہیں جہاد کے راستے سے ہٹنے نہیں دیں گے۔راہنماؤں کے اعمال کا تجزیہ بھی کرتے رہنا چاہیے کیونکہ

یہ رہنما بھی غلط ہو سکتے ہیں۔ ان کے احکامات پر اندھے بن کر نہیں گرنا چاہیے۔ اگر کسی بھی تحریک کے کارکن اپنے رہنماؤں کے اقوال پر اندھا دھند عمل کرنے لگیں تو اس سے تحریک کے اندر نظریاتی اندھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

اسلامی ایکشن میں عام طور پر اور جہادی ایکشن میں خاص طور پر رہنمائی کا مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے اور قوم کو ایک جدید سائنسی، منطقی اور جدوجہد کرنے والے رہنماؤں کی ضرورت ہے تا کہ یہ قوم کی رہنمائی کر سکیں۔ یہ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں، طوفان اور زلزلوں میں قوم کی انگلی پکڑ کر اسے درست راستے پر لے جاتے ہوئے منزل سے ہمکنار کر سکیں۔

جدوجہد میں پوری قوم کو شریک کرنا اور انہیں متحرک کرنا اہم ذمہ داری ہے۔ جہادی تحریک کو عوام سے رابطے بڑھانے چاہئیں۔ جہادی اپنے عوام کو بتائیں کہ یہ تحریک ان کی عزت کی حفاظت اور ان پر ظلم ڈھانے والوں کے خلاف جنگ ہے اور یہی تحریک انہیں فتح سے ہمکنار کرے گی۔ قوم کو میدان جہاد میں ایک قدم آگے بڑھانا چاہیے۔ جہادی تحریک کو چاہیے کہ وہ لوگوں میں شعور کی بیداری کے لئے اپنا علیحدہ ونگ تشکیل دے۔ اس ونگ کے فرائض میں مسلم لوگوں کو تعلیم دینا۔ خیراتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دینا اور ان لوگوں کے خدشات کو سن کر ان کا شافی جواب دینا شامل ہو۔ ہمیں اس سلسلے میں کسی بھی علاقے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں لوگوں کے اعتماد اور دل جیت لینے چاہئیں۔ عوام ہم سے اس وقت تک محبت نہیں کریں گے جب تک انہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہم بھی ان سے محبت کرتے ہیں۔ لوگوں کو اس بات کا پکا یقین ہونا چاہیے کہ ہمیں ان کا بہت خیال ہے اور یہ کہ ہم ان کی حفاظت کے لئے تیار ہیں۔

اس پوری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ لڑتے ہوئے جہادی تحریک کو عوام کے درمیان یا اس سے آگے ہونا چاہیے۔ یہ ایک آئیڈیل صورتحال ہے کہ تحریک آگے ہو اور پوری قوم اس کے پیچھے صف بستہ ہو۔ اس سلسلے میں تحریک کو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہ کسی طاقت کے خلاف علم بلند کرتے ہوئے

تحریک کو عوام سے علیحدہ نہیں رہنا چاہیے کیونکہ تنہائی کا شکار تحریکیں جلد مر جاتی ہیں۔ ہمیں عوام کو اس بات کا دوش نہیں دینا چاہیے کہ وہ اس کام میں ہمارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ ہمیں خود پر الزام عائد کرنا چاہیے کہ ہم کوئی ایسا لائحہ عمل نہیں بنا سکے جس میں عوام کو شریک کر سکتے ہوں۔ دراصل یہ ہم ہیں جو عوام تک درست پیغام پہنچانے میں ناکام رہے ہیں۔

جہادی تحریک کو اس بات کی شدید خواہش ہونی چاہیے کہ وہ لوگوں کو طاقتور بنانے کے لئے جہادی تحریک میں عوام کو جگہ دیں اور انہیں اپنی کارروائیوں کا حصہ بنائیں۔ مسلم قوم اس وقت تک مجاہدین کے شانہ بشانہ کھڑی نہ ہوگی جب تک کہ وہ قوم کو ایسا نعرہ یا پروگرام نہ دیں جس پر قوم لبیک کہہ اٹھے اور یہ نعرہ، قول یا بات اس طرح کی ہو کہ قوم کی سمجھ میں آجائے کہ جہادی تحریک کس طرح ان کے مسائل حل کرنے میں معاون ہوگی۔ گذشتہ پچاس سال سے صرف ایک ہی نعرہ ایسا ہے جسے سن کر پوری قوم جہادی تحریک میں شامل ہوسکتی ہے اور وہ نعرہ ہے ''اسرائیل کے خلاف اعلان جہاد'' کا۔

قوم گذشتہ دس سالوں میں اسرائیل کے ساتھ ساتھ امریکہ سے بھی نفرت کرنے لگی ہے۔ اس نعرے میں امریکہ کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ اگر امریکہ کے خلاف جہاد کی کال دی جائے تو قوم اس جہاد کی کال پر ضرور لبیک کہے گی۔

افغانستان، فلسطین اور چیچنیا کے واقعات پر ایک ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جب کفر اور کافروں کے خلاف جہاد کی کال دی گئی اور کہا گیا کہ ان ممالک کو کافروں کے تسلط سے آزاد کرانے کا معاملہ ہے تو کسی طرح جہادی تحریک کی آواز قوم کے رہنماؤں تک پہنچے گی اور یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ وہ سیکولر جنہوں نے مسلمانوں کو تباہی سے دوچار کیا، خاص طور پر عرب اسرائیل تنازعے میں بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچا، وہ بھی مسئلہ فلسطین کے حل کی بات کرنے لگے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مسلمان جو کہ دنیا بھر میں پسے ہوئے مسلمانوں کے حقوق بازیاب کرانے کے ہر دور میں چمپئن رہے ہیں جو قوم کی رہنمائی کی طاقت اور اہلیت رکھتے ہیں وہ فلسطین کے

مسئلے پر عوام میں بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

فلسطین کو آزاد کرانے کے لئے اب جہاد کے مواقع میں اضافہ ہو چکا ہے۔تمام سیکولر جنہوں نے فلسطین کے مسئلے پر ہمیشہ زبانی جمع خرچ سے کام لیا اور اسلامی تحریکوں کا مقابلہ کیا، ان کے عزائم اب مسلمانوں پر ظاہر ہو چکے ہیں کیونکہ وہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کر چکے ہیں۔ یہ بات اب پوری دنیا کو تسلیم کر لینی چاہیے کہ مراکو سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں کے دلوں میں گذشتہ پچاس سالوں سے مسئلہ فلسطین کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔

جہاد کے ذریعے علماء دانشوروں، حکمرانوں، منصفوں، ادیبوں اور سیکورٹی ایجنسیوں کا رویہ آشکار ہو جائے گا۔اس پر عمل کر کے اسلامی تحریک عوام پر اپنی بغاوت کا اظہار کر سکتی ہے اور بتا سکتی ہے کہ اس بغاوت کی وجوہات کیا ہیں۔انہوں نے اللہ کے دشمنوں کے ساتھ اتحاد کر لیا ہے اور یہ مجاہدین کے اس لئے دشمن ہیں کہ مجاہدین ایسے یہودیوں اور عیسائیوں کے دشمن ہیں۔ جو اپنے دل میں اسلام کی دشمنی رکھتے ہیں۔امریکیوں اور یہودیوں کو شکست دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔انہیں ایک گولی، خنجر یا سریے سے نقصان پہنچانا ناممکن نہیں ہے۔موجودہ وسائل کے ساتھ چھوٹے گروپ امریکیوں اور یہودیوں کے لئے ایک دہشت بن سکتے ہیں۔اسلامی تحریک کو عام طور پر جہادی تحریک کو خاص طور پر عوام میں بیداری کی مہم کا آغاز کر دینا چاہیے۔

مسلم دشمن حکمرانوں کو بے نقاب کیا جائے

ایسے حکمران جو اپنے اعمال اور احکامات کی طاقت سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے ہوں انہیں بے نقاب کرنا ضروری ہے۔انہیں کس طرح بے نقاب کیا جا سکتا ہے؟

- مسلم عقیدے میں توحید سے وفاداری اور کفار کو چھوڑنے کی اہمیت پر روشنی ڈال کر انہیں بے نقاب کیا جا سکتا ہے۔

- قوم کو بتایا جائے کہ اسلام، قوم اور وطن کا دفاع مسلمان پر فرض ہے۔
- علماء کو حکمرانوں کے بارے میں خبردار کیا جائے۔
- ائمہ مساجد کو ان کے فرائض یاد دلائے جائیں۔
- عقیدے کے خلاف جنگ کرنے والوں کے عزائم بتائے جائیں۔
- اسلامی دنیا کے دل میں ایک مسلم ریاست کے قیام بارے بات کی جائے۔

جہادی تحریک کو ایسا لائحہ عمل تشکیل دینا چاہیے کہ وہ مسلم دنیا کے عین وسط میں ایک اسلامی مملکت قائم کر سکے۔ جہاں سے پوری دنیا کی اسلامی ریاستوں سے مضبوط روابط قائم کئے جائیں۔ یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ فوج اسی وقت فتح سے ہمکنار ہوتی ہے جب پیدل فوج زمین پر قبضہ کرتی ہے۔ اسی طرح مجاہدین کی اسلامی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ ہی یہ عالمی اتحاد کا مقابلہ کر سکتی ہے جب تک یہ اسلامی دنیا کے قلب میں ایک بنیاد پرست ریاست نہ قائم کر لے۔ ایک بنیاد پرست ریاست کے قیام کے بعد ہی دنیا میں کسی بھی اتحاد کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ تمام تر منصوبے اور منصوبہ بندیاں اس وقت تک کامیاب نہ ہوں گی جب تک کہ بنیاد پرست تحریک کے پاس عملی طور پر زمین کا ایک ٹکڑا نہ ہو جس پر وہ خلافت کا نظام قائم کر سکے۔

مسلم دنیا کے وسط میں ایک بنیاد پرست ریاست کے قیام کا خواب کوئی آسان کام نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا مقصد ہے جسے فوری طور پر حل کیا جا سکے لیکن یہ مسلم دنیا کی ایک شدید آرزو ہے کہ وہ دوبارہ خلافت کا نظام قائم کریں اور یوں وہ اپنی کھوئی ہوئی شان وشوکت اور ماضی کی عظمت دوبارہ حاصل کر سکیں۔ جہادی تحریک کو حوصلے اور صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا ڈھانچا قائم کرنا چاہیے اور اسے تب تک احتیاط کرنی چاہیے جب تک یہ تحریک مضبوط بنیادوں پر استوار نہیں ہو جاتی۔ اسے فی الحال وسائل جمع کرنے چاہئیں اور حمایت حاصل کرنی چاہیے اور پھر احتیاط کے ساتھ میدان جنگ کا انتخاب کرنا چاہیے۔

یہاں ایک نہایت اہم اور بنیادی نوعیت کا سوال جنم لیتا ہے کہ اگر تحریک کے منصوبے قبل از وقت افشاء ہو جائیں تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ اگر اس کے ممبر گرفتار ہو جائیں، تحریک کا مستقبل داؤ پر لگ جائے، بڑے پیمانے پر اس کے کارکنوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو جائے، اس کے وسائل اور فنڈز کو روک دیا جائے اور اس کے رہنماؤں کو ٹارگٹ بنایا جائے تو پھر تحریک کو کیا کرنا چاہیے؟

اس صورتحال میں تحریک کو خود سے سنجیدہ سوال کرنا چاہیے اور اس کا جواب تلاش کرنا چاہیے کہ کیا چند لاشوں کے گرنے اور مخالفت کے طوفان سے یہ تحریک بکھر جائے گی؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ایسی صورتحال میں اس کا مطلب یقینی شکست ہے؟

میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورتحال میں تحریک کو اپنے زیادہ سے زیادہ ممبران کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بچا لینا چاہیے۔ محاصرے کے دوران سب سے اہم فیصلہ بچاؤ کا فیصلہ ہوتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے اس بات پر زور دیا ہے کفار کے خلاف جنگ کے لئے ہمیں قوم کو متحرک کرنا ہوگا۔ اگر ظالم قوتیں ہمیں ایسے وقت میں میدان جنگ میں کھینچ لیتی ہیں جب کہ ابھی ہماری تیاری مکمل نہ ہو تو پھر ہمیں اپنے پسند کے میدان جنگ کا انتخاب کرنا ہوگا۔ یعنی ہمیں امریکیوں اور یہودیوں پر حملے کرنے پڑیں گے۔ دوسرا یہ کہ ہمیں ان حکمرانوں کے عوام کو سامنے لانا ہوگا جو یہودیوں کے معاملات میں دلچسپی لے رہے ہیں اور آخری یہ کہ اگر ہمارا مقصد واضح ہے تو ہمیں کسی بھی صورتحال سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں کبھی بھی ہتھیار نہیں پھینکنے چاہئیں۔ اس کے لئے ہمیں چاہے کتنی بھی بڑی قربانی کیوں نہ دینا پڑے، ہمیں جان لینا چاہیے کہ ریاستوں کو اچانک زوال نصیب نہیں ہوتا۔

اسلامی تحریک اور اس کے جہادی ساتھیوں اور تمام مسلم قوم کو جہاد میں شامل ہونا چاہیے۔ واشنگٹن اور تل ابیب میں بیٹھے ہوئی شاطر حکومتوں کو اپنے مفادات کے حصول کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ اگر جنگ کی چنگاری ان کے گھروں اور جسم تک پہنچ گئی تو یہ فوراً اپنے ایجنٹوں سے سودے بازی کر لیں گے اور اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اس صورتحال میں ہمیں اس جنگ کا رخ ان دشمنوں کی طرف موڑنا

پڑے گا جن کے ہاتھوں سے ہمارے گھروں کو آگ لگی۔ مسلم ریاست کے قیام کو صرف علاقائی جدوجہد کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے۔ یہ اب واضح ہو چکا ہے کہ یہودی صلیبی اتحاد جس کی قیادت امریکہ کررہا ہے، یہ کسی مسلم ملک کو اجازت نہیں دے گا کہ وہ ایک طاقت بن جائے۔ یہ ان تمام مما لک پر پابندیاں عائد کرے گا جو اسلامی تحریک کی مدد کرے گا۔ اس صورتحال میں ہمیں ایک ایسی جنگ کے لئے تیار رہنا چاہیے جو کسی ایک خطے میں نہیں لڑی جائے گی۔

دشمن کے خلاف جدوجہد کو ملتوی نہیں کیا جاسکتا۔ دشمن کے عزائم سے واضح ہے کہ وہ ہمیں اتنا وقت نہیں دے گا کہ ہم پہلے اندرونی دشمن سے نبٹ سکیں اور پھر اس بیرونی اور اصل دشمن کی جانب بڑھیں ۔ دشمن اب ایک بڑے اتحاد کے ساتھ کھل کر میدان لگا چکا ہے۔ اسلامی تحریک کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ان کے لئے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ صرف اس اتحاد اور نظم وضبط کے قیام سے ہی نصف راستہ طے ہو جائے گا اور کامیابی کی منزل قریب آجائے گی ۔ اسلامی تحریک کو قربانیوں کی ایک نئی داستان رقم کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے اور انہیں اسلام کے مفاد میں اپنے ذاتی اختلافات کو فراموش کر کے ایک جھنڈے تلے جمع ہو جانا چاہیے۔ آج کے دور میں اسلامی جہاد میں اتحاد کی اہمیت جتنی صداقت کے ساتھ واضح ہو چکی ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ اگر تحریک فتح سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے تو اسے جتنی جلدی ممکن ہو سکے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر لینا چاہیے۔

افغانستان اور چیچنیا کی دل وجان سے مدد کرنا اس دور کا اولین تقاضا ہے۔ ہمیں صرف ان دو ملکوں کے حفاظتی طریقے سوچنے تک ہی خود کو محدود نہیں رکھنا چاہیے۔ ہمیں اس جنگ کو اسلامی دنیا کے قلب میں منتقل کر دینا چاہیے جو کہ اصل میدان جنگ ہے، ہوسکتا ہے کہ حالات وواقعات کے پیش نظر جو ہم نے سوچا ہے وہ عملی طور پر اسی طرح وقوع پذیر نہ ہو کیونکہ اس راستے پر دباؤ کے پہاڑ کھڑے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہماری واضح خامیاں بھی ہیں، بہر حال ہمیں اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالنا پڑے گا ۔ جہادی تحریک کے لئے یہ ایک مخمصہ ہوسکتا ہے لیکن اس سے نپٹنا کوئی مشکل نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ

بہت مشکل ہو،لیکن اسے حل کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

مجاہدین کو اپنی تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے حملوں کے طریق کار تبدیل کرنا ہوں گے اور مزاحمت کے بھی کچھ نئے میدان تلاش کرنا ہوں گے کیونکہ دشمن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ہتھیاروں کے معیار میں اضافہ ہورہا ہے۔تباہ کن طاقت میں روز افزوں ترقی ہورہی ہے ۔دشمن جنگ کی تمام تر اخلاقیات کو فراموش کر کے کاروائیاں کررہا ہے۔اس صورتحال میں ہمیں درج ذیل امور کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

- دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے۔
- وہ زبان استعمال کی جائے جو دشمن سمجھتا ہے۔
- آپریشن کو احتیاط سے تیار کیا جائے چاہے اس میں کتنا بھی وقت صرف کیوں نہ ہو۔
- ایسے ہتھیار استعمال کئے جائیں جس سے دشمن کی سربیت میں کمی آئے اور دشمن کے غرور کا سر نیچا ہو سکے۔
- اندرونی دشمن کے ساتھ اس مرحلے پر جنگ میں الجھا نہ جائے۔

ایک حقیقت جس کو مدنظر رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جو جنگ عزت ،جان ،دولت ،مقدس مقامات،قوم،اقدار،روایت اور طاقت کو بچانے کے لئے لڑی جارہی ہے یہ جنگ !مسلم کی اپنی جنگ ہے۔یہ بوڑھوں اور نوجوانوں سب کی جنگ ہے یہ ایک ایسی جنگ ہے جس کی تپش ہمارے گھروں میں پہنچ چکی ہے۔عوام کو آگے بڑھنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ درج ذیل ہیں:

- ایک ایسی قیادت جس پر وہ اعتماد کرسکیں،جس کی بات کو وہ سمجھ سکیں اور جس کے پیچھے وہ چلنے کو تیار ہوں۔
- ایک واضح دشمن۔
- خوف کی زنجیریں توڑنا ہوں گی اور روح پر سے کمزوریوں کے جالے اتارنا پڑیں گے۔

ان خطرات کو محسوس کرنے کے لئے ہمیں خود سے ایک سوال کرنا چاہیے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کو کیا جواب دیں گے کیا ہم اپنی آنے والی نسلوں کو یہ بتائیں گے کہ ہم نے تو لڑنے کے لئے ہتھیار اٹھا لئے تھے لیکن پھر ہم نے ہتھیار پھینک دیئے اور شکست قبول کر لی؟ ہمارے اس طرز عمل سے آنے والی نسل کے جہاد کے بارے میں کیا خیالات ہوں گے؟

ہمیں تمام رکاوٹوں اور پابندیوں کو توڑتے ہوئے جہاد کا پیغام پوری دنیا میں پہنچانا ہے۔ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ نے جہاد کی خبروں اور جہادی سرگرمیوں اور جہادی تحریک کا جس طرح محاصرہ کر رکھا ہے ہمیں اس محاصرے سے نکلنا ہوگا۔ یہ ابلاغی جنگ ہے اور ہمیں اس جنگ کو فوجی جنگ کے ساتھ لے کر چلنا ہے۔ مسلم اقوام کو آزاد کرانے، اسلام کے دشمنوں سے لڑنے اور ان کے خلاف جہادی مہم کا آغاز کرنے کے لئے ہمیں ایک مسلم ریاست کی ضرورت ہے۔ ایک مسلم ریاست کی طاقت اور اختیار کے بغیر یہ سب ناممکن ہی رہے گا۔ اسلامی جہادی تحریک کے اولین مقاصد میں سے یہ ایک بنیادی مقصد ہونا چاہیے، چاہے کتنا بھی وقت اور قربانیاں کیوں نہ دینا پڑیں۔



انٹرنیٹ ایڈیشن

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

http://www.muwahideen.tk

info@muwahideen.tk